سفرِ سعادت منزلِ محبت

راجا رشید محمود

سفرِ سعادت
منزلِ محبّت

راجا رشید محمود

مکتبہ ایوانِ نعت (رجسٹرڈ) لاہور

کتاب	سفرِ سعادت، منزلِ محبت
مصنف	راجا رشید محمود
	ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور
	سینئر ماہرِ مضمون، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
	جنرل سیکرٹری، مجلسِ سخن رجسٹرڈ، لاہور
مصحح	شمیم اختر
صفحات	۲۲۴
کمپوزنگ	نعت کمپوزنگ سنٹر، لاہور (ہیلو: ۷۴۶۳۶۸۴)
اشاعتِ اول	۱۹۹۲ء
طابع	حاجی محمد نعیم کھوکھر۔ جیم پرنٹرز، لاہور
قیمت	اسّی (۸۰) روپے

ناشر

مکتبہ ایوانِ نعت (رجسٹرڈ)

اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ لاہور (کوڈ ۵۴۵۰۰)

فون: ۷۴۶۳۶۸۴

قدمین کی چوتھی صف کے نام

جہاں تک رسائی کی خواہش مجھے لاہور میں بیقرار رکھتی ہے

بیقرار رکھے گی

اور وہاں پہنچاتی رہے گی

اِن شاء اللہ!

ایک یہ احساس نیندیں ہی اُڑا کر لے گیا
دُور مجھ سے کیوں ہوا شہرِ شہہؐ ہر خشک و تر
میرے سینے میں کسک سی بن گیا ہے یہ خیال
طیبہ جا کر پھر چلا آیا ہوں کیسے لوٹ کر

فہرست

●●●

منبر و مسجد' ریاضُ الجنّہ اور قدمینِ پاک
جالیاں وہ نُور کی' وہ سبز گنبد اور وہ گھر
رہ گیا ہے دل وہیں لیکن چلا آیا ہوں میں
حال کیا سب کا یہی ہوتا ہے طیبؔہ دیکھ کر

●●●

سفرِ سعادت منزلِ محبّت

ہوش آیا تو ہوائی جہاز لاہور ائرپورٹ کے رن وے کو چھوڑ کر مائلِ پرواز تھا۔ آن کی آن میں جہاز نے زمین چھوڑ دی۔ میری والدہ محترمہ اور خالہ جان بھی میری طرح اور جہاز کے دوسرے مسافروں کی طرح پیٹیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ ہم تینوں درودِ پاک پڑھ رہے تھے۔ ہوش' بے ہوشی' نیم بیہوشی' مدہوشی ایسے الفاظ ہیں جو مدینۂ طیبہ کی راہ میں اپنے لُغوی معانی و مفاہیم سے الگ شان رکھتے ہیں۔ جو ہوش میں نظر آتا ہے' وہ کتنا ہوش میں ہوتا ہے اور جو ہوش میں دکھائی نہیں دیتا' وہ کس حد تک مدہوش یا بیہوش ہوتا ہے' ---------- یہ ایک راز ہے جس کو جان لینا بھی آسان نہیں اور جان لینے کی صورت میں اسے بیان کرنا نہ مناسب ہے' نہ ممکن۔

یادداشت کا حال

مجھے ہوش آیا تو میں ہوائی جہاز میں سوار تھا لیکن اس سے پہلے کی کیفیت کیا تھی؟ کیا وہ بے ہوشی تھی؟ بہت کچھ آہستہ آہستہ بعض واقعات اور بعض واردات کے ضمن میں یاد آتا رہا۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کم نہیں آئے جنہیں بھول کر خوشی ہوتی ہو اور جو حافظے کی تختی سے محو ہو جائیں تو اچھا لگے مگر دیدِ مدینہ کی خواہش اور اس تمنا کے زیرِ اثر سفر بھی کوئی بھولنے کی چیز ہے۔ میں کچھ نہیں بھُولا۔ میں کچھ نہیں بھُول سکتا مگر یادداشت بھی یوں گڈ مڈ ہو گئی ہے کہ کبھی راہ میں ہوتا ہوں' کبھی قدمین میں نظر آتا ہوں۔ ابھی مواجہۂ مقدسہ میں حاضر تھا تو اب "روضۃٌ مِّن ریاضِ الجنّۃ" سے ادب و احترام کی معیت میں

سر جھکائے، درود خواں گزر رہا ہوں۔ کوئی لمحہ میرے احساس پر جبلِ حرا کی تقدیس نقش کرنے لگتا ہے تو کوئی چشمۂ شفا سے مستفید ہونے کی نوید سناتا ہے۔ کوئی ساعت میرے گنہگار دل کو اُس پتھر کے لمس کی لذّت سے آشنا کرتی ہے جہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لب ہائے مبارک مَس ہوتے رہے، اور کوئی دُوسرا پَل مجھے اُس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں سیّدہ فاطمہؓ حاجیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ میں کبھی تصوّر میں کلثومؓ بن ہدم کی زمین پر قائم مسجدِ قبا میں عُمرہ کر رہا ہوتا ہوں اور کبھی مسجدِ فتح میں حضرت جابرؓ کی پیروی میں اپنی ہر حاجت کے لیے دُعا بلب ہو جاتا ہوں۔

دُعا کے ماتھے پر اجابت کا جھُومر

حضرت جابرؓ نے کہا تھا کہ انہیں جب کوئی بات اپنے رب سے منوانا ہوتی ہے، وہ اس مقام پر حاضر ہو جاتے ہیں جہاں غزوۂ خندق کے موقع پر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح کی دعا مانگی تھی اور جس کے نتیجے میں تیز آندھی نے کافروں کے خیموں تک کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ حضرت جابرؓ وہاں حاضر ہو کر اپنی ہر دعا کے ماتھے پر اجابت کا جھُومر سجا لیتے تھے، میں بھی اپنے رب سے کچھ مانگنے کے لیے اپنی روح کو مسجدِ فتح میں جھولی پھیلائے دیکھتا ہوں۔

اجابتِ دعا کے حوالے سے اہم مقامات

مگر میری حاجتوں کو تو پورا ہونے کے کئی راستے مل گئے ہیں۔ جب سے مکّہ معظمہ اور مدینۂ طیبہ سے ہو آیا ہوں، وہاں کا ذرہ ذرہ میرے پردۂ چشم پر عکس ریز دکھائی دیتا ہے اور میں نگاہوں کے دریچے بند کرتا ہوں، دل کا دروازہ کھول کر دامن کا پلّو پھیلاتا ہوں تو نسبت کے حوالے سے حرمین کے جس مقام پر چاہتا ہوں، حاضر ہو کر التجا کرتا ہوں، -------------- جو چاہتا ہوں، مانگ لیتا ہوں، پا لیتا ہوں۔ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رہے، تشریف لے گئے، اپنا سر اپنے خالق کے سامنے جھکایا، لوگوں کو اس کے سامنے جھکنے کی تلقین کی، دعائیں کیں، معجزے دکھائے، اپنے ساتھیوں پر شفقت کے مظاہرے فرمائے، اپنے ساتھیوں کی محبّت دیکھی، وہ سب جگہیں، وہ تمام مقامات اجابتِ دعا کے حوالے سے اہم ہیں۔

کسک یا تڑپ

اپنے سرِ عقیدت کو جُھکانے اور چشمِ ارادت کو نچھاور کرنے کی تمنّا میں کس مسلمان کا دل ارضِ حجاز کی زیارت کو نہیں چاہتا۔ کہیں یہ خواہش ہلکی ہلکی کسک کی صورت میں اور کہیں تڑپ کی شدّت کے ساتھ پَرتَو فگن دکھائی دیتی ہے۔ بعض لوگ اپنی کچھ دُنیوی ذمہ داریاں پوری ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور بعض اپنی ذمہ داری اور ہر خواہش کو انتظار کی زحمت میں مبتلا کر کے مدینۃ الرّسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُخ کر لیتے ہیں۔ پھر کسی کی چاہت کو جلد حاضری اور حضوری کی کیفیتّوں سے سرشار کر دیا جاتا ہے۔ کہیں کسی کُشتۂ فراق کی تڑپ ہی کو منظوری کی سند عطا ہو جاتی ہے۔ کسی کی نظر سفر میں پیش آنے والی دِقّتوں اور پریشانیوں پر رہتی ہے اور وہ واپس آ کر یہی ذکر کرتا ہے، کسی کی نگاہ، التفات و کرم کی ملتجی ہوتی ہے اور وہ اس حوالے سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسی کے گُن گاتا رہتا ہے۔ کچھ حضرات کے چٹورے پن کو حرمین شریفین کی زیارت کے دنوں میں کسی حد تک محرومی کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے یہی رونا دوست احباب میں رونا شعار کر لیا، کسی نے دستیاب رُوکھے سُوکھے پر شُکر کیا اور شاکر بندے کی طرح تسکینِ قلب اور طمانیتِ روح کی دولت پا لی۔ کچھ تو کبھی کبھار محبّت کے اس سفر کی بات زبان و قلم پر لائے مگر ایسے بھی نظر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لطف و کرم سے ہونے والی ان زیارتوں کا ذکر محبّت کی زبان اور عشق کے انداز میں کرتے ہی رہتے ہیں۔

یادوں کا لُطف زا بوجھ

نومبر ۱۹۸۹ء سے جب سے خالق و مالکِ حقیقی کے گھر اور سرکار صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیارے پیارے شہر کے نظاروں سے میری روح و جاں پہلی بار مُستیز ہوئی ہے' میری زبان کریم غفّار اور رحمتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں ہمیشہ لال رہی ہے' میرا سر ان یادوں کے لطف زا بوجھ سے جھکا جھکا سا رہنے لگا ہے' میرے روز و شب کی کئی ساعتیں اس تذکارِ پاک کے سبب منوّر ہوئی ہیں لیکن میں نے اس سفر کی یادداشتیں قلم بند کرنے کا حوصلہ نہ کیا۔ اس خیال سے بھی کہ میں بہت بڑے ادیبوں اور بہت اچھے قلم کاروں کے لکھے ہوئے سفرناموں میں کس حیثیت سے کوئی اضافہ کر سکوں گا' اور اس لیے بھی کہ اگر "بڑھا بھی دوں گا میں کچھ زیبِ داستاں کے لیے" تو کہیں راندۂ درگاہ نہ ہو جاؤں اور اگر اپنے محسوسات کو من و عَن ضبطِ تحریر لانے کا جرم کروں تو کہیں فتوؤں ہی کا ہدف نہ بنا دیا جاؤں۔

بے ربطیٔ تحریر کا شہکار ہے یہ

اب بھی میں نے جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے' اس کی حیثیت نہ تو سفرنامے کی سی ہے' نہ یہ کوئی پارۂ ادب ہے۔ نہ میں بات کو بنا سنوار کر پیش کرنے کا فن جانتا ہوں' نہ ادب وانشا کے بحرِ ذخّار کا شناور ہوں۔ بایں ہمہ' میرا خیال ہے کہ دیارِ محبت کی باتیں سن کر محظوظ ہونے والے' اپنے ذوق کی بنا پر اس بے ربط تحریر میں بھی لذّت تلاش کر لیں گے ـــــــــ اور' شاید اس تحریر کے قارئین میں سے کسی صاحبِ دل کی اپنی کیفیت کے طفیل' میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اپنی نگاہ میں رکھ لیں۔ ایسا ہو جائے تو میری قسمت کی یاوری' ـــــــــ کہ کسی بندے کے لیے اس سے بڑا

منصب کوئی نہیں۔۔

نگاہِ کرم کا التفات

ویسے تو حضور سرکارِ دو عالم' نورِ مجسّم' رحمتِ ہر عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نگاہِ کرم' التفات نہ کرتی تو مجھے نعت کی خدمت پر مامور کیوں کیا جاتا؟ کیسے کیسے ادیب اور شاعر موجود نہیں ہیں' کتنے بڑے بڑے صحافی' کیسے قد آور محقق دنیا میں نہیں پڑے ہیں۔ ماہنامہ "نعت" لاہور کا اجرا' اور باقاعدگی سے اس کی اشاعت' اس کا ہر شمارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے کسی مضمون پر خاص نمبر ہونا' یہ ذمہ داری مجھ ایسے ہیچ میرز اور کج مج بیان کو سونپ دی گئی ہے تو یہ محض نظرِ کرم ہی کا کرشمہ نہیں ہے کیا!

ماہنامہ "نعت" کا ایک اداریہ

شاید فروری ۱۹۸۹ء کے اواخر میں ایک دفتری کام سے میرا کراچی جانا ہوا۔ ائرپورٹ سے میرے عزیز دوست' معروف شاعر' نامور صحافی اور مشہور محقق خواجہ رضی حیدر نے مجھے لیا' اور بچوں کی خیریت معلوم کرنے کے بعد بتایا کہ میاں عبدالرؤف صاحب کے ذہن واحساس پر فروری کے نعت کے اداریے نے خاص اثرات مرتّب کیے ہیں۔ میری وہ تحریر یہ تھی۔

"میں محبت کی راہ چلا تو میں نے دیکھا'
اپنے بیگانے سب متاثر ہیں۔
احباب بولے' اپنی صحت خراب کر بیٹھو گے' اعصاب تباہ ہو جائیں گے
ـــــــ اور جیبیں الٹ جائیں گی
دنیا نے متنبہ کیا' گھر پھونک تماشا نہ دیکھ

حالات گویا ہوئے' زندگی درکار ہے تو دُنیوی کمانے کا سودا نہ کرو

عقل نے الارم بجایا، ہم سے بگاڑ کر کوئی سُکھ کی نیند نہیں سو سکا

اپنوں نے حیرت ظاہر کی' اِس بھاگ دوڑ میں کے دن جیو گے۔ رات تک کبھی یہاں ہوتے ہو' کبھی وہاں۔ پھر رات گئے تک لکھنے پڑھنے کے کام میں کھوئے رہتے ہو۔ اپنے لیے' اپنوں کے لیے تمہارے پاس کوئی لمحہ نہیں بچتا۔ بچو گے کیسے؟

بیگانوں کو اطمینان ہے کہ اس نے جو راہ منتخب کی ہے' سنگلاخ چٹانوں' گہری کھائیوں کی راہ ہے ---------- اس پر چلتے رہنے کا داعیہ رکھتا ہے تو بھگتے گا

جواب میں محبت نے کہا" محبوب کا ذکر ہر حال میں ہو گا

دل پکارا! کسی سے لَو لگانے والوں نے بھی کبھی عقل کی مانی ہے۔ کبھی آرام طلبیوں نے بھی سکھ بانٹے ہیں۔ کبھی رتجگے کے بغیر بھی لگاؤ کے مراحل طے ہوئے ہیں------؟

حوصلے سے سر اونچا کیا! نصب العین کی عظمت کہیں جھکنے دیتی ہے۔ وہ سر بھی کہیں جھکا ہے جو سب سے بڑی درگاہ میں جھکنے کا شرف پا لے۔ وہ فرد بھی کبھی ہارا ہے جو عقیدت اور نیاز مندی کی بازی جیت چکا ہو' غلامی میں نام پیدا کرنا چاہے۔

تُف اُس محبت پر' جو سُود و زیاں کے بیچ میں اُلجھے

لعنت اُس بندے پر' جسے آقا کی خوشنودی سے بڑھ کی کوئی تمنا ہو' جسے آقا کی بارگاہ کے علاوہ کہیں سے دریوزہ گری کی خواہش ہو

میرے نیک خواہو!

میری بھلائی چاہتے ہو تو راہِ تسلیم و رضا میں میری ثابت قدمی چاہو!

زندگی' صحت اور دولت کے بارے میں نہ سوچو'

یہ بے حقیقت چیزیں ہیں۔

بے وقعت اور بے حقیقت"!!

طُرفہ قرض دار

یہ تحریر دل کی زبان میں تھی' ایک صاحب دل پر اثر کر گئی۔ شرافت کا وہ مجسّمہ' نجابتوں کا وہ وارث مجھے خط لکھ لکھ کر پھاڑتا رہا' یہ سوچ کر کہ اپنے جذبات کا اظہار کن الفاظ میں کرے۔ آخر اپنے اور میرے مشترکہ دوست خواجہ رضی حیدر کے پاس پہنچا۔ یہ بتانے کہ وہ سرکار صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دریوزہ گر راجا رشید محمُود کو اُن کے در پر دیکھنا چاہتا ہے۔ رضی حیدر نے اسے کہا کہ رشید کے والد تو انتقال فرما گئے ہیں' والدہ حیات ہیں' وہ اُن کے بغیر نہیں جائے گا۔ اس اللہ کے بندے نے کہا! اسے کہیں' انہیں بھی ساتھ لے جائے۔ میں میاں عبدالرُوف سے ملا تو اس نے کہا' حج پر جانا چاہو یا عمرے پر' تمہاری مرضی۔ اس کا خرچ تمہارا مجھ پر قرض ہے۔ جب یہ اُتر جائے گا' میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔

"سواد" یا ثواب

میں نے دل سے پوچھا' وہاں سے آواز آئی' عمرہ۔ مکّہ مکرّمہ میں بھی' مدینۂ منورہ میں بھی۔ اصل میں' مَیں کوئی اچھا کام بھی کروں تو ثواب کے لیے نہیں سواد (مزے) کے لیے کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ جس بھی عبادت میں عبادت گزار کو "سواد" نہ آئے اس کا ثواب بھی نہیں ملتا۔ اگر میں نماز کو عبادتاً نہیں' عادتاً پڑھتا ہوں' جو کچھ پڑھتا ہوں وہ میرا مقصود نہیں ہوتا۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن" کہتا ہوں لیکن پُوجتا اپنے مفادات کو ہوں اور مدد کے لیے لوگوں کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا ہوں تو میں صلوٰۃ کہاں قائم کر رہا ہوں۔ اسی لیے ہم نمازی بھی ہیں اور فحاشی اور منکرات کے جالے میں بھی جکڑے ہوئے ہیں جبکہ قرآن مجید کا دعوٰی ہے کہ صلوٰۃ فحاشی اور منکرات سے بچاتی ہے۔ تو یقیناً" ہم عادت پوری کر رہے ہیں' نماز نہیں پڑھ رہے---------- اس اُٹھک بیٹھک کا ثواب کہاں سے ملے گا۔ یہی حال دوسری عبادتوں کا ہے۔

مدینۂ طیبہ کا عُمرہ

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں بتایا کہ حجرِاسود کے سامنے سے کعبے کے گرد چکر لگانا شروع کریں، سات چکر پورے کریں، پھر حجرِاسود اور درِ کعبہ کے درمیان دعا کریں، مقامِ ابراہیم پر دو نفل پڑھیں اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کریں، پھر سر منڈوائیں یا بال کٹائیں، آبِ زمزم پئیں تو مکّہ مکرّمہ میں عمرہ ہو جائے گا۔ لیکن جب آقا و مولا علیہ والتحیۃ والثناء سے مدینہ والوں نے کہا کہ سرکار (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہم میں ہیں تو ہمیں کسی اور نعمت کی حاجت نہیں۔ پھر بھی مکّہ والوں پر اِن معنوں میں رشک آتا ہے کہ وہ جب اٹھتے ہیں، عمرہ کر لیتے ہیں۔ اس پر مختارِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے گھر سے تیار ہو کر، نیت کر کے مسجدِ قبا میں آنے اور وہاں دو نفل پڑھنے کو عُمرہ قرار دے دیا۔ یعنی مدینہ والوں کے لیے عُمرے کو بہت آسان فرما دیا۔ اگر میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان پر عمل کرنے سے مکہ میں عمرہ کا ثواب ملتا ہے تو یقیناً ان کے ارشادِ مبارک کے مطابق مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے سے بھی عمرہ ہو جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ لوگ اس عمرے کو عام طور پر عمرہ کیوں نہیں کہتے۔

۱۹۸۹ء میں والدۂ محترمہ (اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے) اور خالہ جان کے ہمراہ بھی میں نے مدینۂ طیبہ میں ایک عمرہ کیا اور اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جب اپنے دو احباب کے ساتھ دوبارہ گیا تو مدینۂ طیبہ میں حاضری کے ۹ دنوں میں ۹ عمرے کیے۔

حاضری میں تاخیر کا سبب

فروری ۱۹۸۹ء میں میرے لیے زیارتِ حرمین شریفین کا انتظام ہوا لیکن میرے لیے ماہنامہ 'نعت' کی بروقت اشاعت میں کسی اڑچن کا تصوّر سوہانِ روح ہے اس لیے میں نے عمرے کے

دنوں کے حوالے سے ایک پرچہ پہلے تیار کر لینا چاہا اور اس کے لیے کام شروع کر دیا۔ کیونکہ میں پرچہ لیٹ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربارِ گُہربار میں حاضری کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا، پرچے کی اشاعت میں کسی تاخیر کے جُرم کے ساتھ بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضری ممکن نہ تھی اور میں ایک زاید پرچہ تیار کرنے میں مصروف ہوا تو رجب شعبان رمضان گزر گئے۔ پھر حج سیزن شروع ہو گیا اور عمرے کے ویزے جاری ہوئے تو میں نے کراچی خط لکھا۔

ایک اور ہمراہی

میری خالہ جان ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں رہتی تھیں۔ وہ آئیں تو ہم نے اس خیال سے کہ ہماری عدم موجودگی میں وہ بچّوں کے پاس رہیں گی، انہیں بتایا کہ ہم زیارتِ حرمین شریفین کے لیے جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اطلاع دی کہ وہ بھی کرائے کے پیسے تیار کیے بیٹھی ہیں۔ چنانچہ ہم تینوں تیار ہو گئے۔ تینوں کے ویزے بھی کراچی سے لگے، وہیں سے ٹکٹ اور ڈالر بھی آ گئے اور ہم لاہور سے جدّہ روانہ ہو گئے۔

ویزے کا حصول اور غلطی

ان دنوں سعودی عرب کے لیے ویزا یا کراچی سے لگتا تھا، یا اسلام آباد سے۔ اب بھی یہی ہوتا ہے لیکن پہلے ان دونوں مقامات پر پاکستان کا کوئی بھی شہری ویزا لگوا سکتا تھا، اب صوبہ سرحد اور پنجاب کے لیے یہاں، اور بلوچستان اور سندھ کے لیے وہاں لگتا ہے۔ کراچی سے ہمارے ویزے لگ کر آئے تو پی آئی اے کی ۱۴نومبر کی سیٹیں کنفرم تھیں لیکن ہمیں ۱۴ نومبر بہت دُور لگتی تھی۔ ۷ نومبر کی فلائیٹ کے لیے بھاگ دوڑ کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ۹ نومبر کو معلوم ہوا کہ دس نومبر کی فلائیٹ سے سیٹیں کنفرم ہو گئی ہیں۔ اس دوران

میں ایک مسئلہ یہ پریشان کُن رہا کہ خالہ جان کے ویزے کے ضمن میں یہ حکم نامہ تحریر تھا کہ وہ اپنے محرم راجا رشید محمُود کے ساتھ جائیں گی۔ لیکن والدۂ معظمہ کے ویزے پر میرے ابّا جان مرحوم و مغفور (راجا غلام محمدؒ مصنفِ "امتیازِ حق"۔ صدرِ ادارۂ ابطالِ باطل لاہور) کا نام لکھا تھا۔ میں پہلی بار کسی غیر ملکی سفر کے لیے روانہ ہونے والا تھا۔ پھر سعودی عرب کے امیگریشن کے عملے کی "خوش اخلاقی" ضربُ المثل ہے۔ دوستوں سے مُشورہ کیا تو انہوں نے یہاں تک ڈرایا کہ سعودی عرب والوں سے یہ بھی بعید نہیں کہ جدّہ ائرپورٹ سے والدہ کو واپس بھیج دیں۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ ڈاک سے پاسپورٹ کراچی بھجوا کر تصحیح کروا لوں مگر ایک اور خوف نے ایسا نہ کرنے دیا۔

ڈاک خانے کی امانت و دیانت

ڈاک خانے کا محکمہ تو دیانت و امانت کے اصولوں ہی پر "قائم" ہے' اس لیے اس کے حوالے کرنا تو ڈاک گویا بے یقینی کے اندھے کنوئیں میں ڈالنا ہے۔ خط کئی کئی ماہ کے بعد بھی مل سکتے ہیں اور جرائد و رسائل کے سلسلے کا تلخ تجربہ تو مجھے ماہنامہ "آستانۂ پاک" پندرہ روزہ "خبر نامہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ" سہ ماہی "فروزاں" اور جنوری ۱۹۸۸ء سے ماہنامہ "نعت" کی ادارت کے برسوں میں بہت ہوا۔ سہ ماہی "فروزاں" کے ۱۹۸۲ء کے کچھ وی پی پارسلوں کی قیمت' محکمۂ ڈاک سے سالہا سال کی خط کتابت کے باوجود آج تک وصول نہیں ہوئی۔ اور ماہنامہ "نعت" سے محکمۂ ڈاک کی محبّت تو بیشتر احباب کو رسالہ ملنے کی راہ میں مانع ہے۔

میرے دوست رائے محمد کمال نے جو شہیدانِ ناموسِ رسالت پر مستقلاً کام کرتے رہتے ہیں' حافظ آباد کے ایک دوست کو ماہنامہ "نعت" کا خریدار بنایا۔ پھر ان کی شکایت آنا شروع ہو گئی کہ رسالہ نہیں ملتا۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے پتا تبدیل کروا لیا۔ بعد میں ایک دفعہ رائے کمال سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے اس دوست کے ساتھ ایک کام سے' علاقے کے پوسٹ ماسٹر صاحب کے گھر گئے تو ان کے کارنس پر ماہنامہ نعت کے وہ

چار شمارے سجے ہوئے تھے جو ڈاک کے نذر ہوئے تھے۔ اُن سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ انہیں یہ رسالے بہت پسند آئے تھے اس لیے انہوں نے رکھ لیے اور سب پڑھے ہیں۔

ڈاک خانے والوں کی ایک تیز رفتار سروس بھی ہے لیکن اس کا حال بھی تجربے نے کچھ اچھا نہیں ثابت کیا۔ پرائیویٹ تیز رفتار سروسوں میں ٹی سی ایس بہتر ثابت ہوئی۔ کراچی میں ہنگامے ہو رہے تھے' میں نے ٹی سی ایس کے ذریعے ایک خط اپنے دوست خواجہ رضی حیدر کو لکھا کہ وہ بچوں کو لے کر فوراً لاہور آ جائیں۔ انہوں نے کسی اے سی ایس کے ذریعے مجھے جواب بھیجا جو بارہ دن کے بعد مجھے مل گیا۔

ہر پریشانی کے دفعیے کے لیے نُسخہ

ان حقائق کے پیشِ نظر والدہ صاحبہ کا پاسپورٹ کراچی بھیجنا' پھر سعودی عرب کے ویزا آفس سے اس کی تصحیح ہونا' اور پھر لاہور آنا شائد ایک لمبے عرصے کا متقاضی تھا---------- اور' جو لوگ زیارتِ حرمین شریفین کی نیّت سے سفر کا ارادہ کرتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ اس سفر میں چھوٹی موٹی اڑچن بھی دل و دماغ کو اذیت کے کن منطقوں میں گھماتی ہے۔ میں ایک رات' ایک دن سوچتا رہا تو مجھے راہ سُجھائی گئی کہ درود شریف کی کثرت کروں' اور جن مراحل میں کسی پریشانی کا خدشہ ہو' وہاں بھی یہی نسخہ استعمال کروں۔ کسی نے کہا تھا۔

تمنّا ہے' درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

میرے زندگی بھر کے تجربے کا ماحصل یہ ہے کہ جہاں کسی مصیبت' کسی پریشانی سے نجات کی کوئی صُورت نظر نہ آتی ہو' درُودِ پاک کے وِرد سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

درُودِ پاک کی برکتیں

میری اپنی، اور میرے بہت سے درُود خواں احباب کی زندگیوں میں بہت سے ایسے مرحلے آئے جہاں مایوسیوں کے بادل پُوری طرح گھِر کر آئے لیکن اس وظیفۂ خداوندی نے مطلع صاف کر دیا، مایُوسیاں چھَٹ گئیں اور مسرتوں کا نور بکھر گیا۔ پروفیسر خلیل احمد نوُری کا بیٹا ٹی بی کی خطرناک سٹیج پر بتایا گیا، عرصے تک اس کا علاج ہوتا رہا۔ لیکن انہوں نے گھر میں حلقۂ درودِ پاک قائم کیا تو بیٹا پُوری طرح صحت یاب ہو گیا۔ شیخ سعید احمد ذہنی اختلال اور پتھری کے موذی امراض سے بچ گئے۔ فیاض حسین چشتی نظامی نہ صرف خود کئی مصائب و آلام سے بچتے رہے بلکہ ان کے ایما پر درُود و سلام کے وظیفے نے بہت سے لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی، ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیا۔ ایسے کئی واقعات کا ذکر "درُودِ پاک کے فوائد" میں کیا گیا ہے۔ میں درُود وسلام پر اپنی کتاب میں بھی کئی واقعات درج کر رہا ہوں۔

بہت بڑی پریشانی اور اس کا علاج

میں گزشتہ سال "۱۹۹۱ء" میں عیدُالاضحیٰ کے بعد اپنے سب بچوں کو لے کر جھیل سیف الملوک پر درُودِ پاک پڑھنے کی نیّت سے درُودِ پاک پڑھتے ہوئے کاغان گیا تو واپسی پر (جو آٹھ دن کے بعد ہوئی) میرے ایک کمرے کا دروازہ کھُلا ملا، تالا ٹوٹا ہوا ایک طرف پڑا تھا، کمرے میں پنکھا چل رہا تھا لیکن گھر کی ایک سوئی بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہوئی تھی۔ اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن پہلی بار زیارتِ طیبہ وبطحا کے سفر کے حوالے سے ایک بڑا ایمان افروز واقعہ یہ ہے کہ واپسی پر جب نوُر محمد جرال ہمیں اپنی گاڑی میں چھوڑ گئے تو میری والدہ صاحبہ بیمار تھیں۔ میں نے انہیں ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ مجھے نظر آتی تھیں اور خود پی آئی اے کے "حُسنِ اخلاق" کا سامنا کرنے لگا۔ بورڈنگ کارڈ لے لیا تو امیگریشن کے تین کارڈ پُر کرنے پڑے۔ میں نے خالہ جان سے کہا کہ وہ والدہ صاحبہ کو یہاں لے آئیں،

میں کارڈ پُر کرتا ہوں۔

میں زمین پر اُکڑوں بیٹھ کر کارڈ پُر کرنے لگا۔ ایک کارڈ پُر کرنے کے بعد میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے جس کرسی پر والدہ بیٹھی تھیں، وہاں نہ وہ تھیں، نہ خالہ۔ میں سمجھا کہ قریب ہی بیت الخلا ہے، وہ شاید اُدھر گئی ہوں گی۔ میں نے باقی دونوں کارڈ پُر کر لیے تو اُن کی تلاش شروع کی۔ دو خواتین ان کے قریب کی کرسیوں پر بیٹھی تھیں، ان سے مدینۂ طیّبہ میں ہماری ملاقات رہی تھی، میں نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بیت الخلا کی طرف بھیجا تو پتا چلا کہ وہاں بھی نہیں ہیں۔ اب میں کبھی بھاگا بھاگا دائیں جاتا تھا، کبھی بائیں۔ امیگریشن والوں کی طرف جاتا تو وہاں لائن لحہ بہ لحہ مختصر ہوتی نظر آتی۔

میں نے لائن میں کھڑے ایک صاحب کو اپنا مسئلہ بتایا، اپنا بیگ ان کے پاس چھوڑا اور خود باقاعدہ دوڑ لگانی شروع کر دی۔ ائر پورٹ کے پاکستان ٹرمینل سے باہر تک گیا لیکن والدہ صاحبہ اور خالہ جان کہیں نظر نہ آئیں۔ مایوسی، پریشانی اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے پسینہ میرے جوتے تک بھگو رہا تھا۔ اب لائن میں تین آدمی رہ گئے تھے، مجھے کچھ سُجھائی نہیں دیتا تھا۔ پندرہ دن حرمِ کعبہ اور حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں گزرے، خصوصاً حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں جہاں خواتین الگ ہوتی ہیں، مرد الگ، --------- وہاں بھی ایسا کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا تھا، واپسی پر جدہ ائرپورٹ کے اس حادثے نے میرا دماغ ماؤف کر دیا، کان سائیں سائیں کر رہے تھے، آنکھیں کبھی دیکھتی تھیں، کبھی دیکھنے سے عاری نظر آتی تھیں۔

لائن پر صرف دو آدمی رہ گئے تو میں کچھ نہ جانتے بوجھتے، کچھ نہ سنتے دیکھتے لائن میں ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جو عرب پاسپورٹ پر خروج کا اندراج کر رہا تھا، اس کے پیچھے پولیس تھی جو تلاشی لیتی تھی اور اس کے بعد لاؤنج تھا۔ میری نظر جو گئی تو میں نے دیکھا کہ والدہ صاحبہ اور خالہ جی لاؤنج میں دُور کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ میں نے لائن میں اپنے سے سینئر آدمی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ انہیں بلاؤ۔ میں آگے بڑھا تو پولیس والوں نے مجھے روک لیا۔ میں نے کچھ انگریزی کے ذریعے اور

پتہ اپنے ہاتھوں کی زبان میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے "یلہ یلہ" کہہ کر واپس دھکیل دیا۔ میں نے آواز دینے کی کوشش کی تو پولیس کو مجھ پر مزید تاؤ آیا۔

میری باری آئی۔ میں نے اپنا پاسپورٹ عرب صاحب کو تھمایا۔ انہوں نے کمپیوٹر صاحب سے پوچھ کر اس پر خروج لگایا اور مجھے واپس دے دیا۔ میں نے انہیں دو اور پاسپورٹ، تھمائے تو انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے عربی شریف میں، لیکن تیز لہجے میں کچھ کہا۔ میں نے لاؤنج میں اشارہ کر کے کچھ انگریزی میں بولنے کی کوشش کی لیکن عرب صاحب نے دونوں پاسپورٹ میری طرف لڑھکا دیے۔ انہوں نے پھر کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں پھر پاسپورٹ وہیں چھوڑ کر پولیس پوسٹ کی طرف بڑھا، انہیں میں نے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کی، وہ خود میری اپنی سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ "یلہ یلہ" کا نعرہ پھر ایک سے زیادہ پولیس والوں نے لگایا اور مجھے دھکا دینے کے لیے بڑھے۔ میں واپس آگیا لیکن اب مایوسیوں کی انتہا نے مجھے راستہ دکھا دیا تھا۔ میں نے دُرُود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ کمپیوٹر والے عرب صاحب کی کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو انہوں نے پھر کچھ کہا لیکن میں نے سنی اَن سنی ایک کر دی اور دُرُود پاک پڑھتا رہا۔ وہ حضرت دو تین بار بولے لیکن میں نے کان جھٹک دیے تاکہ کوئی جُوں نہ رینگ سکے اور اپنے وظیفے میں مصروف رہا۔

عرب نے پھر کچھ کہا جو وہ خود ہی سمجھا ہو گا۔ پھر دونوں پاسپورٹ لیے، ان کے بارے میں کمپیوٹر سے کچھ پوچھا اور دونوں پر خروج کی مُہر لگا کر مجھے تھما دیے۔ آج تک جس آدمی سے میری بات ہوتی ہے، وہ حیران ہوتا ہے کہ آدمی کو دیکھے بغیر اس کے پاسپورٹ پر خروج لگانے کی کوئی اور نظیر کہیں بھی نہیں ملتی، سعودی عرب میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک سعودی عرب سے خروج نہ لگتا، لاہور ائرپورٹ پر امیگریشن والے "دخول" نہیں لگا سکتے تھے۔

میں نے والدہ صاحبہ اور خالہ جان سے پوچھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچ گئیں تو معلوم ہوا کہ میں امیگریشن کارڈ پُر کرنے کے لیے زمین پر بیٹھا تھا، وہ میرے پاس سے گزریں اور مجھے نہیں دیکھا۔ امیگریشن کی لائن میں لگنے کے بجائے سیدھی پولیس پوسٹ چلی گئیں اور وہاں

سے تلاشی کے بعد ظاہر ہے کہ انہیں لاؤنج ہی میں پہنچنا تھا جہاں سے انہیں کوئی واپس نہ جانے دیتا۔

میں عرض کر رہا تھا کہ والدہ صاحبہ کے پاسپورٹ پر غلطی سے میرے نام کے بجائے ابّاجان علیہ الرحمہ کا نام لکھا گیا کہ والدہ ان کی معیّت میں سفر کر سکتی ہیں۔ مجھے جب اِس صورت حال میں پریشانی سے نجات کی اور کوئی راہ نہ ملی تو میں نے دُرُودِ پاک کا ورد شروع کیا اور جاری رکھا۔ میں نے صرف اپنا ذکر اس لیے کیا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اور خالہ جان تو دُرُود و سلام کی کثرت کرتی ہی تھیں۔ میں دُرُودِ پاک پڑھتا رہا اور ہمیں نہ صرف دس نومبر کی فلائیٹ سے سیٹیں مل گئیں بلکہ والدہ صاحبہ کے ویزے پر جو غلط اندراج ہو چکا تھا، اس کے بارے میں بھی کسی نے نہ پوچھا۔

ویزے کا حصُول

درود و سلام تو ہمیں قدم قدم پر سہارا دیتا ہے۔ جب ہم تین دوست ۱۹۹۱ء میں عُمرے کا ویزہ حاصل کرنے اسلام آباد پہنچے تو یہ لمبی لمبی قطاریں دیکھ کر دل میں ہَول اٹھنے لگے۔ ہم نے وزارتِ خارجہ سے چِٹھی حاصل کی تھی، اس کی پذیرائی نہیں ہوئی---------- سنٹرل انٹیلیجنس بیورو کے لوگوں کو کسی نے وہاں گھُسنے نہ دیا۔ شام ساڑھے چار بجے تک ہم بے نَیلِ مرام وہاں انٹرویوں کے "قُل ھُوَ اللہ" پڑھنے کی آوازیں سُنتے رہے۔ رات راولپنڈی کے ایک ہوٹل میں کاٹی تو فیاض حسین چشتی کہنے لگے، ہم صبح چار بجے جا کر قطار میں کھڑے ہو جائیں گے، شاید فارم لینے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ اُن کی خوش فہمی تھی، ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ سعودی ویزا آفس میں تو رات بارہ بجے سے قطار بن جاتی ہے اور چار بجے وہاں پہنچنے والوں کو قطار کی دُم پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ نیز لوگ چھ چھ سات سات دن سے قطار میں کھڑے ہونے کی مشق کر رہے ہیں------ مجھے یہ تو معلوم نہیں تھا لیکن میں نے فیاض صاحب سے کہا کہ ہم چار بجے نہیں، آٹھ بجے وہاں

پہنچیں گے اور قطار سے باہر کہیں سامنے بیٹھ کر درُود شریف پڑھیں گے۔ اگر درُود شریف کی برکت مُسلّم ہے تو ہمیں فارم بھی مل جائے گا اور ویزا لگنے کا بھی کوئی بندوبست ہو جائے گا۔ ہم ٹھیک آٹھ بجے وہاں پہنچے۔ فارم لینے والوں کی قطار کے قریب پتھر کا ایک بنچ سا پڑا تھا۔ ہم اس پر بیٹھ گئے اور درودِ پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ پولیس والے ہمیں وہاں سے اٹھانے کے لیے آتے رہے مگر ہم نے ان پر واضح کر دیا کہ ہم وہاں سے اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور انتظامیہ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنیں گے۔ نہ میرے ذہن میں کوئی بات تھی کہ فارم کے لیے کیا ہو گا۔ نہ میرے ساتھیوں فیاض حسین چشتی اور رفیق احمد خاں نے اس ہلے میں کوئی بات کی تھی۔ ہم درودِ پاک پڑھتے رہے اور منتظمین قطار کے اگلے دس دس آدمیوں کو سڑک کے پار واقع دفتر میں بھیجتے رہے جہاں ایک کھڑکی میں سعودی کونسلر خود پاسپورٹ دیکھ کر ویزا فارم جاری کرتے تھے۔

کوئی دس بجے ہوں گے کہ فیّاض صاحب کو ان کے کوئی واقف کار نظر آئے۔ وہ اُٹھ کر انہیں ملنے گئے تو انہیں اپنا مسئلہ بتایا۔ ان صاحب کا کوئی تعلق ویزا آفس سے نہیں تھا لیکن انہوں نے فیاض صاحب سے کہا کہ وہ پاسپورٹ لے آئیں۔ وہ بھاگم بھاگ ہمارے پاس آئے اور تینوں پاسپورٹ لے گئے۔ وہ صاحب تو فیاض صاحب کو اس قطار کی جانب اشارہ کر کے کہیں چلے گئے جو آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل تھی اور ویزا آفس کی کھڑکی کے سامنے تھی۔ فیاض صاحب قطار میں کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا حالانکہ ہم دو گھنٹے سے دیکھ رہے تھے کہ کہیں بھی قطار میں کھڑے لوگ دوسروں کو گھسنے نہیں دیتے تھے۔ میں نے رفیق احمد خاں سے کہا کہ کھڑکی والا تو صرف ایک آدمی کو اس کا پاسپورٹ دیکھ کر ایک فارم دیتا ہے' فیاض صاحب خواہ مخواہ ہمارے پاسپورٹ بھی لے گئے ہیں۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک صاحب ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ قطار میں سے فیاض صاحب نے ہم دونوں کو کہا ہے کہ ہم بھی وہاں آ جائیں۔ ہم اپنے بریف کیس اٹھا کر اُدھر چل دیے۔ ویزا آفس میں داخل ہونے لگے تو چوکیدار نے تلاشی دینے کو کہا۔ ہم نے بریف کیس چوکیدار کے پاس رکھ دیے کہ وہ تلاشی لے' ہم آتے ہیں۔ اس اثنا

میں فیّاض صاحب فارم لے کر باہر آ گئے اور ہمیں ہمارے پاسپورٹ تھما دیے۔ ہم قطار میں کھڑے ہو گئے اور تیسرے چوتھے نمبر پر ہم نے بھی فارم حاصل کر لیے۔ یوں لگتا تھا کہ ہم تینوں کو قطار میں لگتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا' ورنہ کوئی نہ کوئی احتجاج ضرور کرتا۔

فارم تو ہم نے حاصل کر لیے مگر ویزا لگوانے والوں کی چار نہایت طویل قطاروں کو پھلانگنا مشکل تھا۔ چنانچہ میں نے کاغذات ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کے ایک شاگرد کے حوالے کیے اور خود واپسی کی راہ لی۔ چند دن بعد اسلام آباد سے فون آیا کہ کاغذات جمع ہو گئے ہیں اور جونہی ویزے ملے' ہمیں اطلاع دے دی جائے گی۔ پھر ایک دن فون آیا کہ ویزے لگ گئے ہیں اور کل مجھے لاہور میں وصول ہو جائیں گے۔ میں نے پوچھا کیسے۔ کہا گیا کہ گوجرانوالہ کے ایک صاحب کو دے دیے گئے تھے وہ آج گوجرانوالہ تو پہنچ گئے ہیں' کل مجھے میرے دفتر "پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ واقع گلبرگ ۳" پہنچا دیں گے۔ میں نے گوجرانوالہ کے اُن صاحب کا پتا پوچھا اور فیّاض صاحب کے ساتھ اُسی وقت جا کر کاغذات لے آیا۔

ایک نعتِ پاک کا ذکر

میں نے ستمبر ۱۹۸۹ء میں' کہ اُن دنوں میں ویزے کے انتظار میں کراچی کی طرف مُنہ کیے بیٹھا تھا' ایک نعت کہی تھی جس میں صلوٰۃ وسلام کے حوالے سے اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی کہ اگرچہ ہماری مراد تو درُود و سلام ہی ہوتا ہے لیکن عام طور پر ہم کہتے درود شریف یا درودِ پاک ہی ہیں۔ عام گفتگو میں بھی اور شعروسخن میں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ محض درُود تو وظیفۂ خدا و ملائکہ ہے۔ مومنوں کے لیے درود سے زیادہ سلام کے بارے میں حکم ہے۔ "اے اہل ایمان والو! تم ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درُود بھیجو اور خوب خوب سلام" ۔ شاعری میں بھی درود یا صرف سلام کا ذکر آتا ہے یا "درود و سلام" کا اکٹھا ذکر آتا ہے۔ میرے خیال میں اس طرح ارشادِ خداوندی کی تعمیل کا حق ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ

میں نے جو نعت کہی' اس کی ردیف تھی "صلوٰۃ کافی سلام زیادہ" دو شعر یہ ہیں۔

خدا اور اس کے فرشتے اور میں' درود گو ہیں درود خواں ہیں
مرے لیے اتنا ہے اضافہ "صلوٰۃ کافی سلام زیادہ"
مزا تو اس خوش نصیب کا ہے' بروز محشر اسی کی ہے جے
ہے جس کے اعمال کا خلاصہ "صلوٰۃ کافی سلام زیادہ"

اس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

گیا ہو مجھ سا عاصی' تو مکہ میں بھی' مدینہ میں بھی
ادا کرے گا یہی فریضہ' صلوٰۃ کافی سلام زیادہ

ایک ہی وظیفہ

اور میں نے دونوں بار' ان دونوں مقدس مقاماتؐ پر یہی فریضہ ادا کیا ہے۔ کچھ تو میں نے خاص طور پر دعائیں یاد ہی نہیں کیں اور جو دعائیں مجھے یاد تھیں بھی' وہ اگر میں پڑھنا شروع کرتا بھی تھا تو تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوتا کہ میں پھر کوئی درود شریف ہی پڑھ رہا ہوں۔ پہلی بار میں نے دل میں طے کر رکھا تھا کہ مکّہ پاک میں "اللّھم صلِّ علیٰ محمد........" کے صیغے والا کوئی درود شریف پڑھوں گا اور مدینۂ پاک میں "الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسولَ اللہ" پڑھوں گا۔ مگر وہاں پہنچ کر میں یہ اہتمام جاری نہیں رکھ سکا۔ بس وہی ہوش اور بے ہوشی کے درمیان والی کیفیت ہوتی تھی۔ کبھی ہوش میں آ کر کوئی خاص درودِ پاک پڑھنے لگتا تو کچھ دیر بعد کسی اور عالم میں کوئی اور درودِ پاک جاری ہو جاتا۔

ایک تصحیح

ہاں! پہلی بار ۱۴ نومبر کو ہم مدینۂ منوّرہ پہنچے تو میں دو تین دن تک "الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسُولَ اللہ" پڑھتا رہا۔ پھر مجھے القا ہوا کہ میں سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو راضی کرنے

کی سیدھی راہ پر گامزن نہیں ہوں۔ اگر آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مجھے فرمایا کہ تمہیں میرے پہلو میں سوئے ہوئے میرے دو جلیل القدر ساتھیؓ نظر نہیں آئے کیا؟' اور وہ سامنے جنتُ البقیع میں آرام فرما اہلِ بیتِ اطہارؓ اور صحابۂ کرامؓ دکھائی نہیں دیتے۔ تم ان پر سلام کیوں نہیں بھیجتے۔ چنانچہ میں نے اس دن سے وہاں بھی اور یہاں بھی "الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسُولَ اللہ و علیٰ آلک و اصحٰبک یا حبیبَ اللہ" کو وظیفہ بنا لیا ہے۔

بہت بڑی خوشی اور اس کا اخفا

زیارتِ طیبہ و بطحا کی تمنا کس دل میں نہیں ہوتی۔ جب یہ تمنا پوری ہوتی دکھائی دے تو آدمی مسرّت وانبساط کے بحرِ بیکراں پر حکمراں نظر آتا ہے۔ ایسے میں اگر وہ ہر جانے والے کو یہ بتاتا پھرے کہ اُسے کتنی بڑی دولت نصیب ہونے والی ہے اور وہ کتنے بڑے انعام سے بہرہ یاب ہونے جا رہا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی۔ میں نے اس خوشی کو بہت چھُپانا چاہا لیکن کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی اس کا اظہار ہو ہی جاتا رہا۔ میں اسے اس لیے چھپانا چاہتا تھا کہ مجھے حج کر کے آنے والے کے دستخطوں کے ساتھ اور پیڈ پر اور گھر کے دروازے پر حاجی لکھا ہوا کبھی اچھا نہیں لگا۔ دو آدمی آپس میں ملے۔ تعارف شروع ہوا۔ ایک نے دوسرے کا نام پوچھا۔ اس نے حاجی بشیر احمد بتایا۔ دوسرے نے جوابی حملے کے طور پر پہلے کا نام پوچھا تو اس نے نمازی غلام الدین کہا۔ حاجی صاحب نے "نمازی" کے لفظ پر تعجب کا اظہار کیا تو وضاحت کی گئی کہ آپ نے زندگی میں ایک نیک کام کیا ہے اور اُسے نام کا حصہ بنا لیا ہے۔ میں دن میں پانچ بار نماز پڑھتا ہوں' میں نمازی کیوں نہ کہلاؤں۔

راجا رشید محمود، ایم اے

میں نے ۱۹۶۶ء میں ایم اے اردو کیا تو میرے لیے یہ بہت بڑا کارنامہ تھا کیونکہ میں

عُسرت اور تنگدستی کی وجہ سے آٹھویں تک ہی سکول میں پڑھ سکا تھا۔ پھر میں نے پرائیویٹ طور پر میٹرک کیا۔ پھر ملازمتیں کرتا رہا اور ۱۹۵۶ء میں میٹرک کرنے والے رشید نے ۱۹۶۶ء میں ایم اے کیا۔ میرے والدِ گرامی راجا غُلام مُحمّد صاحب (علیہ الرحمۃ) کی خواہش تھی کہ میں ایم اے اُردو کروں۔ جب ان کی یہ خواہش پوری ہوئی' وہ دن میرے لیے بے انتہا خوشی کا دن تھا۔ میں نے اپنی پہلی فرصت میں "راجا رشید محمودؔ۔ ایم اے" کی نیم پلیٹ لکھوا کر دروازے کے باہر لگوا دی۔ کچھ دنوں کے بعد میرے دوست ضیاالله کھوکھر مجھے ملنے آئے اور نیم پلیٹ پڑھ کر دروازے کے ساتھ لگی اطلاعی گھنٹی بجانے کے بجائے "راجا رشید محمُود ایم اے" پکارنے لگے۔ وہ دن اور آج کا دن مجھے اپنے نام کے ساتھ" ایم اے" لکھتے ہوئے کراہت محسوس ہوتی ہے۔اس لیے حاجی یا "عمروی" کہلوانا' یا اس صفت سے یاد کیا جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

الوداع کہنے اور پیشوائی کرنے والے

اگر کوئی حج کا فرض نبھاتا ہے' یا عُمرے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اس کا ذاتی فعل ہے۔ پھر مجھ ایسا آدمی جو ثواب کمانے سے زیادہ "سواد" لینے میں دلچسپی رکھتا ہو' وہ کیسے گوارا کرے گا کہ تشہیر اس کا مزہ خراب کر دے۔ لیکن دفتر سے" این او سی لینا' چھٹیاں لینا' ویزا لگوانے کے لیے اسلام آباد کے کئی کئی چکر لگانا ایسی مصروفیتیں ہیں جو اس سفر کی خبر پر پردہ نہیں ڈالنے دیتیں" اس لیے بات ڈھکی چھپی نہ رہی۔ پہلی بار بھی اور دوسری مرتبہ بھی۔ ہاں' جب دوست مجھ سے پوچھتے کہ کس دن جا رہا ہوں اور کس تاریخ کو واپس آؤں گا تو میں انہیں ٹرخاتا رہا۔ پہلی مرتبہ میرے ایک دوست نے پہلے تو مجھ سے جانے کی تاریخ پوچھی' پھر دفتر کے ایک ساتھی رفیق احمد خاں (جو میرے دوسرے سفر میں بھی میرے ساتھی تھے) سے تاریخ پوچھی۔ ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہُوا تو پھر میرے پاس آئے کہ ہم رفیق احمد خاں سے تاریخ معلوم کر کے آپ کو ائرپورٹ پر چھوڑنے آئیں گے۔ میں نے

انہیں جواب دیا کہ اگر میں نے رفیق احمد خاں کو پتا چلنے دیا' پھر نا! میرے بچوں نے کہا کہ جب آپ لوگ زیارت کر کے واپس آئیں گے تو ہم آپ کو لینے ائرپورٹ پر آئیں گے۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم بتا دیں کہ کب اور کس فلائٹ سے آ رہے ہیں۔ ہم جب گھر پہنچ کر اطلاعی گھنٹی بجائیں گے' آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم آ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور یہی ہوا۔

رمضان میں حاضری کی کوششیں

میری اس عادت نے ایک بار میری عزت بھی بچائی۔ ہم آٹھ دوستوں نے گزشتہ سال رمضان المبارک میں عمرے پر جانے کی ٹھانی تھی۔ چار مرتبہ ویزا لگوانے کے لیے اسلام آباد گئے لیکن ویزا نہیں لگتا تھا۔ وزارتِ خارجہ میں موجود ایک دوست نے دو تین آدمیوں کو ویزا لگوا دینے کی پیشکش کی' وہ ہمیں قبول نہیں تھی۔ ویزا آفس کے باہر لمبی لمبی قطاروں سے ہٹ کر کچھ ٹاؤٹوں نے ہمارے دو ساتھیوں سے بات کی کہ فی ویزا تین ہزار دے دیں تو سب ویزے لگ جائیں گے۔ میں نے انکار کر دیا' یہ کہہ کر کہ اگر بلاوا ہے تو ویزے مل جائیں گے' بلاوا نہیں ہے یا فی الحال نہیں ہے تو زبردستی جانے کی کوشش حماقت ہے اور پھر رشوت دے کر ویزا حاصل کرنے میں ضمیر کے کچوکے مَیں تو برداشت نہیں کر سکتا۔ بیشتر ساتھیوں نے میری پُر زور تائید کی اور ہم اس گناہ سے بچ گئے۔ سفر کے کئی ساتھی ہوں تو ذہنی ہم آہنگی مفقود ہو سکتی ہے اور ہر آدمی اپنی الگ رائے بھی رکھ سکتا ہے اور بعض صورتوں میں اپنی رائے منوانے پر بھی زور دینے لگتا ہے۔ ایسے میں بعض اوقات شکر رنجی اور کبھی کبھار کبیدگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو سفر کو آرام دِہ اور طمانینت و سکون کا حامل نہیں رہنے دیتے۔ اس لیے میں کچھ ڈرتا بھی تھا۔ چوتھی بار ایک ساتھی کا محکمہ کام آیا اور سات ویزے لگ گئے۔ ایک ویزا پھر بھی رہ گیا۔ پھر اس کے لیے کوشش ہوئی تو وہ بھی مل گیا لیکن دن برائے نام رہ گئے۔ ہوائی جہاز کی سیٹوں کے لیے تگ و دَو شروع ہوئی تو

ہمارے دو دوستوں نے یہ سب کام اپنے ذمے لیا اور ہمیں ہمہ وقت تیار رہنے کا حکم دیا۔
اب صورت یہ تھی کہ آخری دن کسی فلائٹ سے اگر ہمیں سیٹیں مل جاتیں تو ہمارا ویزا چار یا پانچ دن کے لیے ہوتا۔

ایسے میں فیاض حسین چشتی کا فون آیا تو میں نے انہیں بتایا کہ میں تو ربِّ کریم اور اس کے محبوبِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ ہمیں اگر پندرہ دن مقاماتِ مقدسہ میں نصیب ہو سکتے ہیں تو سیٹیں مل جائیں لیکن اگر چار پانچ دنوں کے لیے جانا ہے تو سیٹیں حاصل کرنے میں ہمیں کامیابی ہی نہ ہو۔ فیاض صاحب نے کہا' سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دربارِ گہربار پر تو دو دن کی حاضری بھی زندگی بھر کی ساعتوں سے بہتر ہے۔ یہاں میرا اُن کا اختلاف رہا۔ ورنہ عام طور سے میری اُن کی سیاسی رائے تو خیر مختلف رہتی ہے' دینی معاملات میں اختلاف نہیں ہوتا۔

سعودی عرب میں داخلے کے آخری دن' میں اپنی دعا کی پذیرائی کے یقین کے ساتھ ہمہ وقت ٹیلی فون کا منہ دیکھتا رہا۔ آخر خدا خدا کر کے چار بجے فون آیا کہ پانچ بجے فلاں مقام پر پہنچ جاؤں اور فیاض صاحب اور رفیق احمد خاں صاحب کو بھی اطلاع کر دوں۔ فیاض صاحب جس گھر میں رہتے ہیں' اس کے مالک کے ہاں فون ہے۔ وہاں تو اطلاع کر دی لیکن رفیق احمد خاں کے جس دوست کے ہاں فون تھا' اس پر رابطہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بیس منٹ کی مسلسل کوشش میں ناکامی سے مَیں پریشان ہو گیا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ تھی کہ میں خود اُن کے ہاں جاؤں۔ میں نیو شالامار کالونی (نواں کوٹ) میں رہتا ہوں' وہ شالامار سے بھی کئی میل آگے نفیر آباد میں قیام پذیر ہیں۔ ان کے گھر کے آس پاس کی سب سڑکیں' سب گلیاں ٹوٹی پھوٹی اور سیوریج کے شوق میں منہ کھولے پڑی تھیں۔ آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچا۔ انہیں بمرف وضو کرنے کے لیے پانچ منٹ دیے اور موٹر سائیکل پر کیا' ہوا کے گھوڑے پر سوار مقررہ مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہمارے منتظم صاحبان اسی انتظام کے سلسلے میں کہیں گئے ہوئے ہیں۔

ہم انتظار میں سُوکھتے رہے' پھر وہ آئے اور مایوس آئے' کچھ نہیں ہُوا تھا۔ پھر وہ

ہمیں ہمارے گھروں تک پہنچانے کے لیے چلے تو ایک صاحب کو اطلاع ملی کہ ان کے فلاں دوست نے سیٹوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ ہم اُن کے پاس پہنچ جائیں۔ اُن تک پہنچنے کے لیے کئی ٹریولنگ ایجنسیوں میں گئے۔ پھر وہ ملے اور ہمیں ائرپورٹ لے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور رات کے ساڑھے گیارہ بجے آخر ہم مایوس ہو گئے اور واپس لوٹ آئے۔

اِس صورت حال میں' مَیں بھی اگر محلے والوں' عزیزوں' رشتہ داروں' دوستوں سے مل کر رخصت ہُوا ہوتا' گلے میں ہار ڈالے ہوتے' مٹھائیوں کے ڈبّے وصول کیے ہوتے تو کتنی تھُڑی تھُڑی ہوتی۔ کئی دن گھر سے باہر نہ نکلتا' لوگوں کو منہ نہ دکھا سکتا۔ دکھاتا تو بھانت بھانت کی بولیاں سننا پڑتیں مگر اپنی پبلسٹی سے فرار کی عادت نے مجھے اس موقع پر بھی خفّت سے بچا لیا۔

ہوائی جہاز کا بیتُ الخلا

ہم نے احرام جدّہ سے باندھا' وہاں سے نیّت کی' تلبیہ پڑھتے ہوئے چلے اور پہلے عُمرے کی سعادت سے راتوں رات مشرّف ہو گئے۔ لوگ یا تو لاہور ہی سے احرام باندھ لیتے ہیں یا جب اعلان ہوتا ہے کہ یلملم کے میقات کے قریب پہنچ گئے ہیں' وہاں جہاز ہی میں محرم ہو جاتے ہیں۔ جہاز میں احرام باندھنا تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ میں ۱۹۸۹ء سے پہلے ہوائی جہاز پر اندرونِ ملک سفر کرتا رہا' کراچی' کوئٹہ اور اسلام آباد تو بے شمار مرتبہ گیا' دو تین مرتبہ ملتان اور کوئی دو مرتبہ پشاور بھی جانا ہوا۔ یہاں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہوتا تھا اور اس میں کبھی بیتُ الخلا جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ۱۹۹۱ء میں دوسرے عمرے کے بعد دہلی جانا ہوا تو بھی پون گھنٹے کا سفر تھا۔ لیکن لاہور سے جدّہ تک کا سفر اگرچہ یوں ہے کہ ہم دو بجے یہاں سے چلے تو ساڑھے پانچ بجے وہاں پہنچ گئے لیکن وقت پانچ' ساڑھے پانچ گھنٹے لگتا ہے۔

لاہور تا جدہ سفر تو پانچ' ساڑھے پانچ گھنٹے کا ہے مگر ان کا وقت چونکہ ہم سے دو گھنٹے پیچھے ہے اس لیے جب پاکستان کے سات بجتے ہیں' وہاں پانچ کا وقت ہوتا ہے۔ ان پانچ گھنٹوں یا اس سے کچھ زیادہ وقت کے دوران مجھے بیتُ الخلا جانا پڑا تو ہوائی جہاز پر بہت غصہ آیا۔ وہاں صفائی کا تو کیا تصور' استنجا کے لیے لوٹا تک نہیں ہوتا۔ جو جہاز حاجیوں کو لے کر جاتے ہیں' ان کا حال تو معلوم نہیں' عمرہ یوں کو لے کر

جانے والے جہازوں میں تو اگر آپ پانی کا کوئی گلاس ساتھ لے جائیں تو کئی ایرانی سر کس میں دیکھے ہوئے کرتبوں میں سے کچھ کو یاد کر کے شاید استنجا کر لیں ورنہ ٹشو پیپر ہی ہے' اس سے جو بھی کام لے لیں۔ اس دو فٹ ڈیڑھ فٹ کے یا اس میں اگر غصے کی زیادتی کے باعث مبالغے کا عمل دخل ہو گیا ہو' تو اس سے کچھ بڑے بیتُ الخلا میں ایک کھلونا نما واش بیسن بھی ہوتا ہے جہاں وضو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ آپ کے پاس اور کوئی صورت نہیں ہوتی' اس لیے اگر وضو کریں گے تو کتنا مکمل ہو گا' اس پر بحث کی گنجائش نہیں۔ ایک ہاتھ سے ٹونٹی کو دبائیں گے تو دوسرے ہاتھ پر پانی ڈالیں گے' پھر کہنیوں تک کو دھونے کے عمل میں جتنا پانی نیچے گرے گا اور جتنے چھینٹے پڑیں گے اور جیسا ناپختہ وضو ہو گا اور اس میں جتنا وقت لگے گا ۔۔۔۔۔۔ اور' اگر اس میں احرام بھی باندھنا پڑا تو وقت میں کچھ اور اضافہ کر لیجیے ۔۔۔۔۔۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ سیکڑوں کی تعداد میں مسافروں کو اپنے اندر سمیٹنے والے جہاز میں دو یا تین بیت الخلا ہوتے ہیں اور آپ کے استنجا' وضو اور احرام پوشی کے عمل' میں کس کس کیفیت میں کیسے کیسے لوگ باہر سے کس کس انداز میں آپ کے دروازے کو کھٹکھٹا رہے ہوں گے۔ لیکن یہ تو اس صورت میں ہے کہ آپ کو بیتُ الخلا خالی ملے۔ اگر آپ لائن میں لگے ہوئے ہیں تو اپنی ٹانگیں بھینچے رہیے تاآنکہ آپ کی باری نہ آ جائے ۔۔۔۔۔۔ مگر خدا کرے کہ آپ ذیابیطس کے مریض نہ ہوں۔

یلملم یا لاہور سے احرام پوشی

یوں میرے خیال میں ہوائی جہاز میں یلملم سے احرام باندھنے میں تو کوئی ایک آدھ خوش نصیب شاید کامیاب ہو جاتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بھی غسل کے بغیر۔ جو لوگ لاہور ہی سے احرام باندھ لیتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ اطمینان سے ایسا کر لیتے ہیں لیکن مجھے تو اپنے حوالے سے یہ اسی طرح عجیب لگتا ہے جیسے اپنے حج یا عمرے کا اعلان کر کے دوستوں عزیزوں سے تحفے تحائف وصول کرنا اور گلے میں ہار ڈالے پھرنا۔

جدّہ سے احرام پوشی

میں کہتا ہوں کہ جدّہ میں امیگریشن کے عذاب سے بچ نکلنے کے بعد جدہ ائرپورٹ پر اس مقصد کے لیے تعمیر کردہ غسل خانوں (مردوں عورتوں کے لیے الگ الگ) میں غسل کے بعد احرام باندھنا' وہاں پر موجود ایک چھوٹی سی مسجد میں دو نفل پڑھنا اور پھر عمرے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف سفر شروع کرنا مناسب ہے۔ لاہور سے یا راستے میں یلملم کے میقات سے احرام باندھنے کی تلقین کرنے والوں یا اہتمام کرنے والوں کی دلیل اپنی جگہ معقول ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ جدّہ میں قیام یا کوئی اور کام کرنا چاہتے ہیں' وہ تو جدہ سے احرام باندھ لیں لیکن جن لوگوں کی نیت لاہور سے براہ راست عمرہ ہی کرنے کی ہے' راستے میں کوئی اور کام اور جدّہ میں زیادہ قیام مطلوب نہیں اور وہ جدّہ ائرپورٹ سے نکلتے ہی مکّہ معظمہ کی راہ لینا چاہتے ہیں' اُن کے لیے یلملم کے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا مناسب نہیں۔

ان کے مقابلے میں میری رائے یہ ہے کہ جب ہم باقاعدہ نیت جدّہ ہی سے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور پھر ہمیں ایک میقات سے گزرنا ہی ہے تو یلملم کے میقات سے بغیر احرام گزرنے میں کیا حرج ہے۔ بہرحال میں نے اور والدہ معظمہ اور خالہ جان نے جدّہ سے احرام باندھا اور ٹیکسی میں سوار ہو کر خانۂ خدا کی زیارت اور طواف اور عمرے کے لیے چل دیے۔ مجھے بہت سے دوستوں نے جدّہ میں مقیم احباب کے فون نمبر دے رکھے تھے۔ کچھ احباب نے اپنے اُن احباب یا اعزّہ کو اطلاع بھی دی رکھی تھی کہ فلاں آدمی دو معزز خواتین

کے ساتھ آ رہا ہے۔ لیکن میں نے کسی کو فون نہیں کیا' کسی سے نہیں ملا۔

وفورِ مسرّت کے مظاہرے کا جواب

میرے بڑے بیٹے اظہر محمود (ایڈیٹر ہفتہ وار "ملتان روڈ نیوز" لاہور اور ہفت روزہ "اخبار عام" لاہور) کے ایک دوست شاہد اقبال ہیں۔ ان کے ایک عزیز جدّہ میں ملازم تھے اور وہ اسی جہاز سے جا رہے تھے جس میں ہم مسافر تھے۔ وہ جہاز میں کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ہماری سیٹوں کے پاس کھڑے ہمیں جدہ میں اپنے پاس ٹھہرنے پر اکساتے رہے اور جدّہ میں امیگریشن والوں کے پاس جھیلنے والے صبر آزما انتظار میں بھی یہی کچھ کرتے رہے لیکن میں آخر بڑی مشکل سے یہ سمجھانے میں کامیاب ہوا کہ ہمیں خانۂ کعبہ کی زیارت میں ایک لمحے کی تاخیر گوارا نہیں اور ہم کسی صورت میں آپ کے پاس چند لمحوں کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتے' ہاں' اگر واپسی پر کچھ وقت ہوا تو آپ کے پاس بھی آ جائیں گے۔۔۔۔۔۔
لیکن واپسی پر وقت کہاں تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور کا جھانسا

دوسری بار کے سفر میں ہم امیگریشن سے فارغ ہو کر باہر آئے اور میں نے کچھ ڈالروں کو ریالوں کی شکل دی تو ایک ٹیکسی والے ہم زبان نے ہمیں آ لیا۔ ہم نے اس سے بات کر لی لیکن اس سے احرام باندھنے اور نفل پڑھنے کی اجازت چاہی تو اس نے ہمیں جھانسا دیا کہ یہاں کے غسل خانوں سے تو غیر مسلم بھی استفادہ کر لیتے ہیں۔ میں آپ کو میقات کے قریب ایک ایسی مسجد میں لے چلوں گا جہاں صفائی بھی یہاں سے زیادہ ہو گی اور غیر مسلم کا تو وہاں تصوّر بھی نہیں ہو گا۔
پھر وہ ہمیں ایک مسجد میں لے گیا جہاں ایک ہی غسل خانہ تھا جس میں دو دو انچ

مٹی جمی ہوئی تھی اور ایک پائپ میں کہیں سے پانی آتا تھا۔ آتا کیا تھا' ٹپکتا تھا لیکن اگر نہانے والا کھڑا ہو جائے تو پائپ ہڑتال پر چلا جاتا تھا۔ ایک ہی صورت تھی کہ ایک ہاتھ میں پائپ ہو اور آدمی کا سر زمین سے ڈیڑھ فٹ سے زیادہ اونچا نہ ہو۔ فرش پر پاؤں رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن اس کا علاج ہم سے پہلے کسی مسافر نے یہ کیا تھا کہ وہاں دو پتھر رکھ دیے تھے۔ ہم نے بھی ان پتھروں پر پاؤں ٹکا کر اپنے سر کو اپنے گھٹنوں سے ذرا جھکا کر (یہ کام تھوڑے تھوڑے وقفے سے کر سکتے تھے ورنہ کمر کا درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا) غسل کیا اور پھر غسل خانے کی دیواروں پر لگے ہوئے جالوں اور مٹی سے بچ بچا کر احرام باندھا۔ مسجد میں دو نفل پڑھے اور راستے بھر اس ٹیکسی والے کی فضول گفتگو طوعاً و کرہاً سنتے رہے۔ اور جتنی تلبیہ' جتنا درودِ پاک پڑھا' ان کی باتوں کے دوران میں بادلِ ناخواستہ ہُوں ہاں کرتے ہوئے پڑھا۔ پہلی بار ہم جس ٹیکسی والے کے ساتھ مکہ معظمہ گئے تھے' وہ تو کوئی شریف آدمی تھا۔ راستے بھر اس نے صرف ہمارے کسی سوال ہی کا جواب دیا' زیادہ باتیں نہیں کیں اور ہمیں تلبیہ اور درود شریف پڑھنے میں کسی رکاوٹ کا احساس نہیں ہوا۔

ضابطوں کی پابندی

پہلے سفر میں' ساڑھے پانچ بجے ہوائی جہاز نے جدہ ائرپورٹ پر لینڈ کیا۔ پھر امیگریشن اور تلاشی کے صبر آزما مراحل طے کرنا پڑے۔ والدہ صاحبہ تو ہمارے منع کرنے کے باوجود دلائل الخیرات ساتھ لے گئی تھیں اور تلاشی کے مراحل سے بھی بخیریت گزر گئیں۔ میں ضابطوں کی پابندی کا لحاظ رکھنے والا بزدل ماہنامہ "نعت" کا کوئی شمارہ بھی ساتھ نہ لے جا سکا۔

میں ضابطوں کی پابندی کا خاصا لحاظ رکھتا ہوں اور کوئی خلافِ قانون حرکت نہیں کرتا۔ بس ذرا ٹریفک کے ضابطوں کی تھوڑی بہت خلاف ورزی کر لیتا ہوں کہ لاہور میں اس کے سوا چارہ نہیں۔ جہاں ہر آدمی اپنی مرضی کے مطابق چل رہا ہو' وہاں اگر آپ قانون پر عمل کرتے ہوئے چلیں گے تو پھر کیسے کامیاب ہوں گے۔ میرے محترم دوست سید

نیرالاسلام حسنی ٹریفک قوانین کی پوری طرح پابندی کرتے ہیں اور سڑکوں پر مقررہ رفتار سے بھی کم رفتار پر سکوٹر چلاتے ہیں مگر دو بار ایکسیڈنٹ کروا چکے ہیں' دونوں بار یہ ہوا کہ پہلے ایک ٹانگ ٹوٹی' پھر دوسری ٹوٹ گئی۔

ٹریفک کے حادثے

ٹانگ تو ایک بار میں بھی تڑوا چکا ہوں۔ سات دن بیہوش رہا اور ساڑھے آٹھ ماہ ٹانگ پلستر کی قید میں رہی۔ ویسے تو آج کل بھی ٹریفک ہی کے حادثے میں صاحبِ فراش ہوں۔ بایاں کندھا اپنی جگہ سے ہلا ہوا ہے اور کندھے کے قریب بازو کی ہڈی میں دو ذرا لمبے لمبے بال آگئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور' آپ کان ذرا میرے قریب لائیں تو بتاؤں کہ میرے جاننے والے میری موٹر سائیکلنگ کے انداز اور رفتار کے بارے میں اظہارِ اطمینان نہیں فرماتے لیکن یہاں معاملہ تو وہی ہے کہ آپ اگر احتیاط کے بل پر بھی چلیں گے تو بے احتیاطی کے زور پر چلنے والوں سے بچ سکیں گے کیا!۔ نیر الاسلام حسنی کے ساتھ کیا ہوا۔ ہمارے دفتر کی ایک ساتھی نائلہ صدف کے خاوند اور ہمارے دوست فرخ شہزاد موٹر سائیکل کی کسی خرابی کو دُور کرنے کے لیے سڑک سے ایک طرف ہو کر بیٹھے تھے کہ ایک موٹر سائیکل وہاں اُن پر جا چڑھی اور وہ سال بھر بڑی تکلیف دہ پوزیشن میں رہے۔ اب تک ان کی ٹانگ میں جڑی ہوئی پلیٹیں انہیں تکلیف دیتی ہیں۔

لاہور میں ٹریفک

لاہور میں تو ٹریفک کا یہ حال ہے کہ اگر سُرخ بتی سامنے آ جائے تو نوجوان سوار اس کا کبھی لحاظ نہیں کرتے۔ پولیس کانسٹیبل کے سامنے سے اس کا منہ چڑا کر اسے "چھلاوہ" کہہ کر پوری سپیڈ سے گزرتے ہیں۔ جو شریف لوگ ہیں' وہ سرخ بتی دیکھ کر پولیس والے کو

ڈھونڈتے ہیں۔ اگر اُس کا مُنہ سڑک کی طرف ہو' اور پھر خاص ان کی طرف ہو تو رک جاتے ہیں' ورنہ نہیں رُکتے۔ جو زیادہ شریف ہیں' وہ سُرخ بتی کے بعد پولیس پر نظر پڑتے ہی رُک جاتے ہیں' اگرچہ اس کا منہ کسی بھی سمت ہو۔ کچھ بزدل سُرخ بتی ہی کو دیکھ کر رک جاتے ہیں لیکن سرخ بتی کو خاطر میں نہ لاتی ہوئی ٹریفک کو دیکھ دیکھ کر دو ایک برس ہی میں نفسیاتی مریض ہو جاتے ہیں' اور اپنی بزدلی کو کوئی نام بھی نہیں دے سکتے۔ میں بہرحال بزدل نہیں ہوں' زیادہ شریف لوگوں کی طرح سڑک پار کرتا ہوں۔

شرافت کی زیادتی اور بُزدلی

لیکن یہ تو اپنا لاہور ہے' دیکھا برتا ہوا۔ ہمیں اس کی سڑکوں سے لید کے ساتھ ساتھ اپنائیت کی بو بھی آتی ہے۔۔۔۔ اور' یہاں پر میری شرافت کی زیادتی ملک سے باہر بُزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہی اور میں عمُرے پر جاتے ہوئے ماہنامہ نعت تک نہیں لے جاتا۔ شاید شورش کاشمیری نے لکھا تھا کہ وہ سعودی عرب جاتے ہوئے جو قرآنِ پاک تلاوت کے لیے لے گئے تھے' وہ اُن سے لے لیا گیا تھا اور انہیں ضروری چھان پھٹک کے بعد واپس دینے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا لیکن ان کی لاہور واپسی کے بعد بھی وہ وعدہ ایفا نہ ہوا۔

مجھے کچھ دوستوں نے مشورہ بھی دیا کہ میں ماہنامہ "نعت" کے گنبدِ خضرا والے سرورق کو پھاڑ کر الگ کر لوں اور ان پر عورتوں کی تصویروں والے ٹائیٹل چڑھا لوں تو بآسانی جدہ میں تلاشی کے مرحلے سے سُرخرو ہو سکتا ہوں اور رسالے کچھ دوستوں تک پہنچا سکتا ہوں مگر مجھ سے یہ کچھ نہیں ہوا۔ ایک تو گنبدِ خضرا والا سرورق پھاڑنا ہی مشکل معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے یہ خدشہ تھا کہ اگر ان حضرات نے رسالہ ہی اٹھا کے ایک طرف پھینک دیا' جیسا کہ وہ عام طور پر کرتے ہیں تو میرے لیے قابلِ برداشت نہیں ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ اور' قوتِ برداشت کے اس امتحان میں میری ناکامی کا نتیجہ میرے لیے اچھا نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس مرحلے میں بھی میرا کردار زیادہ شریف آدمی سے بڑھ کر بزدل انسان کا ہو گیا۔

ملاقاتیں نہیں، زیارتیں

ایک اور بات بھی تھی۔ میں جدہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں کسی دوست یا کسی دوست کے دوست سے ملنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھتا تھا' اس لیے رسالہ لے جانا میرے لیے اتنا ضروری بھی نہیں تھا۔ جب آدمی پہلی بار ان زیارتوں کے لیے مائلِ سفر ہوتا ہے تو اسے کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گا۔ کعبتہ اللہ پر نظر پڑتے ہی اس کی کیا کیفیت ہو گی۔ وہ اس جلالت مآب خانۂ خدا کی طرف کیسے دیکھ سکے گا۔ اس کا رُعب و جلال اس کے ذہن و احساس پر کیا کیفیتیں مرتسم کرے گا۔ اور اس کا دل سینے کی تنگنائیوں سے نکلنے کے لیے کیا کیا کچھ نہ کرے گا۔ پھر مدینۂ پاک میں حاضری کیا رنگ لائے گی۔ کیا اسے بھی کرامت علی خاں شہیدؔی کی موت نصیب ہو گی کہ اس نے کہا تھا۔

وہ مدینۂ طیبہ گیا' اس کی نظر گنبدِ خضرا پر پڑی اور اس کے طائرِ روح نے قفسِ جُسد کو خیرباد کہہ دیا۔

مدینۂ پاک میں حاضری کا خیال

انسان سوچتا ہے کہ کیا وہ مدینۂ منورہ کی گلیوں میں جوتوں کے ساتھ چل پھر سکے گا' وہاں سر کے بل چلنے کی کیا صُورت ہو سکتی ہے۔ جب مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں داخلے کی سعادت نصیب ہو گی تو دماغ کہاں ہو گا' دل کی کیا کیفیت ہو گی' جب روضۂ پاک کی جالیوں پر نظر پڑے گی تو لپٹ پڑنے اور چوم لینے کی خواہش کا کیا ہو گا۔

جنون اور جسارت

میرے ایک دوست نے اپنی زیارت کے دنوں کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک آدمی نے جالیوں کو چُوم لینے کی کوشش کی تو اسے شُرطی نے پکڑ لیا۔ وہ لوگ مجرم کو ایک مینار پر لے گئے اور وہاں اسے اذیّت دے رہے تھے کہ اس کا ایک واقف وہاں گیا' جو صفائی کی ذمہ دار فرم "دلّہ کمپنی" میں ملازم تھا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ ہی میں صفائی کی ڈیوٹی ملی ہوئی تھی۔ اس نے شُرطہ کے ارکان سے مصلحت آمیز جھوٹ بولا کہ میں مجرم کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ یہ فیصل آباد کا رہنے والا ہے اور مجنون ہے' پاگل ہے۔ اسی لیے اس سے ایسی حرکت بھی سرزد ہوئی ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ اس طرح اس کی رہائی عمل میں آئی لیکن وہ جتنے دن مدینۂ پاک میں رہا' جب اُس کا جی چاہتا' الٹی سیدھی حرکتیں کرتا' ٹیڑھا میڑھا چلتا ہوا مواجۂ پاک کے سامنے سے گزرتا اور جالیوں سے کبھی ہاتھوں کو مَس کرتا' کبھی بوسہ دے گزرتا اور مطوعے اور شُرطی "ھذا مجنون" کہہ کر اس سے درگزر کرتے۔۔۔۔۔۔ اس واقعے کے ذہن میں آتے ہی میری خواہش بھی جوان ہوگی کہ وہاں حاضری کے دوران میں اگر مجھے واقعی جنون کی نعمت میسر آجائے تو کیا ہو؟

کیونکہ جالیوں کو چومنا بلکہ انہیں ہاتھوں ہی سے مس کرنا جنون ہی کے زیرِ اثر ہو سکتا ہے۔ ہوش کے عالم میں تو ممکن نہیں۔ میں وہاں پہنچا تو ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ خواہش نہیں ابھری۔ مجھے تو وہاں اپنی اوقات یاد آتی رہی کہ مجھ ایسے معصیت پیشہ کو یہاں حاضری کی اجازت مل گئی ہے' یہ کم ہے کیا۔ میں قدمین شریفین میں دُور دُور سے اپنی نیچی نگاہوں کے سجدے درودیوارِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر نچھاور کر سکتا ہوں' یہ سعادت بہت نہیں؟ قریب کیسے جاؤں۔ مواجۂ مقدسہ کے سامنے اپنا منہ کیسے دکھاؤں' ہے یہ اس قابل؟۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرہانے کے طرف کس دل سے بیٹھوں۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مُوئے مبارک کی اور سرکار کی زیارت

یہ تو عرشِ اعظم سے زیادہ رفیع مقام ہے جہاں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود اپنی حیاتِ ظاہری کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور مجھ ایسے گنہگار' عصیاں شعار کی طرف دیکھ رہے ہیں' میری ساری زندگی اُن کے سامنے ہے' مَیں خود اُن کے سامنے ہوں۔ میری حیات کا کون سا لمحہ اُن سے پوشیدہ ہے۔ میری دِلی حالت سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ ایسے میں' مَیں اپنی نگاہیں کیسے اونچی کرتا' قدمین کی طرف سے اور مواجہۂ شریف کی جانب سے' آنکھ بھر کر کیسے دیکھتا۔ میں تو کئی برس پہلے (۱۹۸۶ میں) قصور میں حضور نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مُوئے پاک کی زیارت کے خیال سے اپنے پیارے دوست سید حامد لطیف (جو آج کل امریکہ میں رہائش پذیر ہیں) اور اپنے بیٹے اظہر محمود کی معیت میں گیا لیکن اس احساس نے مجھے کامیاب نہ ہونے دیا کہ میں کیا منہ لے کر' کن اعمال کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زندہ مُوئے مبارک کی زیارت کرنے آگیا ہوں۔ وہ سامنے آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مُوئے مبارک مجھے ملاحظہ فرما رہا ہے۔ مجھ پر سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مُوئے مبارک کی نظر ہے اور میں اپنے اعمال کے ساتھ اس مقدس و مطہر بال مبارک کے سامنے ہوں---------- یقین جانیے' لوگ تو دُرودوں کے ڈونگرے اور سلاموں کے گجرے پیش کر رہے تھے اور میں رو رو کر پاگل ہو رہا تھا۔

نگاہوں کے کارنامے

اور'-------- اب تو میں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ اپنی زندگی بھر کی ذلالتوں اور خباثتوں کے احساس کا پشتارہ لادے------ میں سر کیسے اٹھاتا' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر مبارک کی دیواروں کے قریب کس

منہ سے جاتا' منبر پاک کو' محراب مبارک کو اپنے ہاتھوں سے مَس کیسے کرتا۔ میری تو بس نگاہیں ہی تھیں جو سب کام انجام دے رہی تھیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درودیوار کو چومتی بھی وہی تھیں۔ جہاں چاہتی تھیں' سجدہ کناں بھی ہو جاتی تھیں۔ مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چپے چپے پر نچھاور ہو ہو جاتی تھیں۔ بس مواجہۂ شریف اور قدمین شریفین کی جالیوں سے اندر جھانکنے کی کوشش میں مر مر جاتی تھیں' ڈھے ڈھے پڑتی تھیں۔ میں نے اتنا اندازہ تو کر لیا کہ قدمین شریفین کی طرف کی چوتھی صف حضور محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے پاک قدموں کے سامنے ہو گی اس لیے وہ صف مجھے زیادہ محبُوب ہو گئی۔ میں کوشش کر کے نماز کے وقت سے کافی پہلے قدمین شریفین میں آجاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کرم سے' چوتھی صف میں مجھے جگہ مل جاتی تھی۔ بس' دو چار بار ہی ایسا ہوا کہ مجھے کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی اور چوتھی صف تک نہ پہنچ پایا۔ نمازیوں کو پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

مسجد میں جگہ کا مسئلہ

کچھ عرب نما لوگوں کو آپ مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بھی سکون سے بیٹھ کر کچھ پڑھتے ہوئے یا صلوٰۃ میں مشغول نمازیوں کے سکون کے تالاب میں پتھر پھینکتے یا نماز میں حارج ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ نمازیوں کو پھلانگتے ہوئے وہاں تک چلے جاتے ہیں' جہاں جانا چاہتے ہیں۔ پھر ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ جہاں جانا چاہتے ہوں' وہاں کوئی جگہ خالی ہو۔ صف میں کوئی جگہ خالی نہیں۔ وہ دو حضرات کے درمیان ذرا پیچھے کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے ہیں۔ یا تو اپنے سر پر کسی آدمی کے کھڑا ہونے کے احساس سے وہ مڑ کر دیکھتے ہیں تو ایک عرب صاحب کو نماز میں مشغول پا کر کچھ تھوڑی بہت جگہ اس کے لیے بنا دیتے ہیں۔ اگر وہ کچھ پڑھنے میں زیادہ مستغرق ہوں تو جب عرب صاحب رکوع میں جاتے ہیں' اس وقت انہیں پتا چل جاتا ہے۔ ایسا بھی نہ ہو تو سجدے میں جانے کے لیے

عرب صاحب اپنے دونوں ہاتھوں سے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو دائیں بائیں دھکیلتے ہیں اور سجدہ کرلیتے ہیں۔ یہ دو رکعتیں انہیں صف میں جگہ دے دیتی ہیں۔

مسواک کا وقت

مسواک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّتِ مبارکہ ہے۔ لیکن اس کا جو حال عربی "توپ" میں ملبوس لوگ کرتے ہیں' وہ عجیب و غریب ہے۔ انہوں نے نماز شروع کر دی' پھر مسواک کرنے کا خیال آگیا تو جیب میں پڑی ہوئی مسواک نکالی۔ دو چار دس بار اسے منہ میں ہلایا جُلایا اور پھر جیب میں واپس ٹھونس لی کہ اتنے میں رکوع میں جانے کا وقت ہوگیا تھا۔

اپنی اوقات کا لحاظ

میں قدمین کی طرف چوتھی صف میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ عرض کر دوں کہ جگہ ہوتے ہوئے بھی مَیں سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیوارِ پاک کے نزدیک بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ کم از کم تین چار نمازیوں کی جگہ چھوڑ کر بیٹھتا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ قدمین میں جگہ مل جانا کوئی کم سعادت نہیں ہے۔ میرے اعمال اس قابل کہاں کہ میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سامنا کر سکوں۔ مواجہہُ شریف پر حاضری تو میں ضرور دیتا تھا لیکن یہ احساس کہ حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا چہرۂ مبارک سامنے ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں' مجھے آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا۔ جتنے لوگ وہاں کھڑے درُود و سلام عرض کر رہے ہوتے' میں ان سب کے پیچھے جا کر کھڑا ہوتا' بھیگی آنکھوں اور سسکیوں سے لرزتے وجود کے ساتھ درود و سلام عرض کرتا اور آنکھ اوپر اٹھائے بغیر آگے بابِ بقیع کی طرف بڑھ جاتا اور پھر وہیں بابِ جبریلؑ سے داخل

ہو کر قدمین میں۔

میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا "بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ"۔ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والا حصّہ جنّت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ لوگ وہاں حصُولِ سعادت کے لیے بیٹھتے ہیں' نوافل ادا کرتے ہیں' فرض نمازیں پڑھتے ہیں اور یوں بیٹھتے ہیں کہ عمُرے کے عام دنوں میں بھی وہاں جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے۔ جو بیٹھتا ہے' بس بیٹھ ہی جاتا ہے۔ کسی دوسرے کو جگہ دینے کو اس کا جی ہی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔۔۔ مگر وہ حصّہ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر مبارک کی طرف کا ہے۔ میں نو دس دنوں میں پانچ چار مرتبہ وہاں دو دو نفل تو پڑھ لیتا رہا لیکن وہاں زیادہ نہ بیٹھ سکا' نہ نمازیں وہاں پڑھ سکا۔ مجھے وہاں زیادہ دیر بیٹھنا بے ادبی سی لگتا تھا اور بے ادبی کے شائبے کے ساتھ جنّت میں داخل ہونا مجھے اچھا نہیں لگا۔ ویسے بھی جنّت تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں کا صدقہ ہے' قدموں ہی میں مل سکتی ہے۔

تبخیر کا مریض

میں تبخیر کا مریض ہوں' وضو نہیں ٹکتا۔ یا تو نعت خوانی کی محفل اور مشاعرۂ نعت کے دوران میں' اور یا پھر کعبۃ اللہ اور دربارِ رسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مجھے کبھی یہ شکایت نہیں ہوئی۔ مجھے چند برسوں سے پیاس بہت لگتی ہے اس لیے گھڑوں پانی پی جاتا ہوں چنانچہ زیارتِ حرمین شریفین کے دنوں میں پیشاب کے حوالے سے وضو ٹوٹتا تھا اور دوبارہ کرنا پڑتا تھا' تبخیر کی شکایت ہی ان ۱۵ + ۱۵ دنوں میں کبھی نہیں ہوئی۔

مکّۂ معظمہ میں اور مدینۂ منورہ میں قیام کے ان چند دنوں میں چونکہ وقت کم ہوتا ہے' پھر سونے جاگنے کے اوقات میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے' میں طیبہ و بطحا کی حاضری سے پہلے تہجدُ کے وقت کہاں اٹھتا تھا' وہاں تو تہجد کے لیے اٹھنا معمول ہو جاتا ہے۔ دن میں سونے کی حاجت بھی ہو تو آدمی سوچتا ہے' سوتے میں تو عمر گزار دی ہے' دیارِ پاک میں

خوابِ غفلت کے مزے کم ہی لیے تو کیا ہے۔ میں ایک بار حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں نیند کے اثر سے اونگھ گیا تو اگرچہ فقہی اعتبار سے وضو قائم تھا' ذوق نے گوارا نہ کیا کہ تازہ وضو نہ ہو۔ یوں ایک مرتبہ اس طرح بھی وضو کے لیے جانا پڑا۔ تجبیر تو شاید آبِ زمزم کے پہلے گھونٹ ہی سے عنقا ہو گئی تھی۔

وضو خانے

حرمِ کعبہ اور حرمِ طیبہ سے وضو کے لیے خاصا دُور جانا پڑتا ہے۔ حرمِ کعبہ میں طہارت خانوں اور وضو خانوں کا ایک سلسلہ تو حرم سے باہر اس طرف ہے جہاں ابوجہل کا گھر تھا۔ اب ایک پہاڑی میں بھی یہ سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے۔ پہاڑیوں میں سُرنگوں کے ذریعے سڑکوں کا کچھ سلسلہ تو پہلے بھی تھا لیکن اب اس نظام میں بہت توسیع ہو رہی ہے۔ جہاں اب وضو خانے تعمیر ہوئے ہیں' وہ پہاڑی میں کھودی گئی سرنگ میں قائم کی گئی سڑک کی بائیں سمت ہے۔ مدینۂ طیبہ میں بابِ عبدُالمجید کے باہر تو پہلے بھی یہ انتظام تھا' اب بھی ہے۔ اگرچہ اس طرف وسیع پارکنگ بنانے کے مقصد سے پورا محلّہ اور ہوٹل اور دیگر بڑی بڑی عمارتیں گرا دی گئی ہیں۔ صرف دو ہوٹل باقی رہ گئے ہیں' ہوٹل مدینہ اوبرائے اور فندق الحرم۔ فندق الحرم مولانا حسین احمد مدنی کے بھتیجے حبیب احمد مدنی کا ہے جو مدینہ کی خاصی اہم شخصیت ہیں۔ دوسری طرف بابُ السلام کے باہر وضو خانے پہلے نسبتاً قریب تھے' اب سڑک کے اُس پار قائم کر دیے گئے ہیں۔ حرمین سے وضو کے لیے جانے میں خاصا وقت لگتا ہے اور وہاں تھوڑا وقت بھی حرم سے باہر صَرف کرنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

۱۹۸۹ء میں ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو رات کے کوئی سوا بارہ' ساڑھے بارہ ہوئے تھے۔ اپنا سامان جو دو چھوٹے بیگوں پر مشتمل تھا' ہم نے اپنی قیام گاہ کی طرف بھیج دیا۔ خود حرمِ کعبہ میں داخلے کے لیے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ بابِ عبدالحمید کے سامنے تھے۔ جی تو بے قرار تھا کہ فوراً حرمِ پاک میں داخل ہو جائیں لیکن چونکہ وضو کرنا تھا۔ ایک صاحب سے

کہا۔ "وضو"۔ انہوں نے دائیں طرف اشارہ کر دیا۔ ہم اُس سڑک پر چل پڑے جو حرمِ پاک کے ساتھ ساتھ جاتی تھی لیکن تعمیر و توسیع کے کام کے باعث سڑک کی حالت بہت اچھی نہیں تھی۔ ہم چلتے رہے۔ پھر کسی سے پوچھا تو اس نے اور آگے اشارہ کر دیا۔ آخر ہم وضو خانوں پر پہنچے۔ تہہ خانہ تھا۔ نیچے گئے' وضو کیا اور باہر آئے تو جو دروازہ سامنے نظر پڑا' اس میں سے حرم میں داخل ہو گئے۔

پیشگی معلومات

میری عادت ہے' کسی نئی جگہ جانا ہو تو وہاں سے واقف دوستوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی لیے ہم نے پہلی بار گیارہ نومبر ۱۹۸۹ء کی رات کو جو پہلا عُمرہ کیا' وہ بھی پوری دلجمعی سے کر لیا۔ ورنہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اُس آدمی یا اُن لوگوں کا پہلا عُمرہ جو پہلی بار وہاں گئے ہوں اور اُن کے ساتھ کوئی واقف آدمی نہ ہو' افراتفری کا شکار ہوتا ہے اور پوچھتے پاچھتے ہی گزر جاتا ہے۔ کیا کرنا ہے' کس طرف جانا ہے' صفا مروہ کس طرف ہیں' اب کیا ضروری ہے؟

بابُ السّلام سے داخلہ

مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ آقا حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جس مقام سے حرمِ کعبہ میں داخل ہوا کرتے تھے' وہ جگہ بابُ السّلام سے قریب تر تھی' اس لیے کوشش کروں کہ بابُ السلام سے داخلہ ہو۔ میری نیت یہی تھی لیکن کعبۃ اللہ کو سامنے دیکھ کر میں سب کچھ بھول بھال گیا۔ اگر وضو نہ کرنا ہوتا تو بابِ عبدالحمید ہی سے داخل ہو جاتے۔ وضو خانوں تک پہنچے تو جو دروازہ سامنے دکھائی دیا' بغیر کچھ دیکھے بھالے اُسی میں داخل ہو گئے۔ باہر دروازے کا نام تحریر نہیں تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر دروازے میں داخل ہوئے تو لکھا تھا "بابُ السلام"۔

اللہ تعالیٰ نے اُس بھُول کو معاف کر دیا جو حرمِ کعبہ کو سامنے دیکھ کر اضطراری کیفیت میں سرزد ہوئی تھی اور حُسنِ نیت کو پذیرائی بخش دی۔

بابُ السلام سے داخل ہوئے تو ہمارے سر جھکے ہوئے تھے' اور لرزاں ہونٹ کچھ مصروف تھے۔ یقیناً درود خواں ہوں گے لیکن اس وقت بھی کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کیا وِردِ لب ہے اور اب بھی یاد نہیں کہ کیا پڑھ رہے تھے۔ دروازے سے داخل ہوئے تو بائیں طرف سے لوگ جوق در جوق آ رہے تھے اور سیدھے چلے جا رہے تھے۔ جوان' بوڑھے' بچے' خواتین۔ میں جو معلومات اپنے سینئرز سے حاصل کر چکا تھا یعنی ان لوگوں سے جو مجھ سے پہلے یہ سعادت حاصل کر چکے ہیں' ان کے مطابق اس طرف بائیں جانب سے اور سامنے دائیں جانب سے جو لوگ آ جا رہے تھے' یہ دراصل صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے چلے گئے۔

کعبۃُ اللہ پر پہلی نظر

مجھے بتایا گیا تھا کہ بابُ السلام میں داخل ہو کر نظریں جھکائے چلتے رہنے کے بعد چند سیڑھیاں نیچے اترنا پڑے گا۔ پھر چند قدم چلنے کے بعد اگر ہم نگاہیں اٹھائیں گے تو سامنے کعبۃُ اللہ نظر آ جائے گا اور کعبۃُ اللہ پر پہلی نگاہ پڑتے ہی جو دعا کی جائے' وہ قبولیت کا شرف پا لیتی ہے۔ میں نے امّاں جی اور خالہ جان سے کہا کہ جب کعبہ شریف سامنے آ جائے گا' میں انہیں گزارش کروں گا۔ وہ نگاہ اٹھائیں گی' کعبۃُ اللہ دیکھیں گی اور جو چاہیں گی' اپنے خالق و مالک جلّ شانہٗ سے مانگ لیں گی۔ یہی ہوا۔ میں نے قدم گِن رکھے تھے۔ ایک جگہ رُک کر ہم نے نظریں اٹھائیں تو خدا کا گھر اپنی عظمت و جلال کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ ہم نے دعائیں مانگیں۔ میری دعا یہ تھی کہ یا اللہ' میری زندگی کے بیشتر لحات اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت و ثنا میں بسر ہوں' مجھے اس راہ پر ثابت قدم رکھ اور درود و سلام کے وظیفے اور اس کی برکات سے میں کبھی محروم نہ رہوں۔

مرعوبیت

پھر ہم کشاں کشاں آگے بڑھے۔ مجھے اگر والدہ صاحبہ اور خالہ جان کی بزرگی کا خیال نہ ہوتا تو مسلسل کعبۃُ اللہ کو دیکھتے دیکھتے کسی سیڑھی سے پھسل پڑتا لیکن بزرگوں کی ہمراہی کے طفیل بچا رہا۔ ہم لوگ جوں جوں خدا کے اُس گھر کے قریب ہو رہے تھے جو خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا' ہماری مرعوبیت اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ اللہ کے گھر کی عظمت اور اپنے چھوٹا' بہت ہی چھوٹا ہونے کا احساس میری کمر دُہری کیے جا رہا تھا۔

نماز اور احترام

اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ دیکھتا ہے۔ ہمارا کوئی کام' ہماری کوئی بات اُس سے چھُپی ہوئی تھوڑی ہے۔ صلوٰۃ قائم کرنے کا معیار یہ ہے کہ آدمی اس کیفیت میں تعوّذ' تسمیہ' فاتحہ' کوئی سُورہ اور بعد میں ادا کیے جانے والے تمام الفاظ ادا کرے کہ وہ اپنے خالق و مالک و رازق کو دیکھ رہا ہے اور عابد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو کر اسے دیکھتے ہوئے مختلف الفاظ اپنی پوری معنویت کے ساتھ ادا کرے۔ دوسرا درجہ یہ بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ گزار اس یقین کے ساتھ صلوٰۃ قائم کر رہا ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

لیکن بڑے بڑے "محراب" اپنے ماتھوں پر سجانے والوں میں سے بھی کتنے ہیں جو ان درجوں پر فائز ہیں اور وہ خدا کو دیکھنے کے احساس کے ساتھ یا پھر اپنے آپ کو خدا کی نظر میں پاتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں۔ بلکہ نماز کا اہتمام کرنے والوں میں سے کتنے ہیں جو ان الفاظ پر غور کرتے ہیں جو اُن کی زبان ادا کرتی ہے اور اپنی اُن اداؤں کا احساس کرتے ہیں جن سے ان کے مختلف اعضا نماز کی مختلف حالتوں میں گزرتے ہیں۔ ان حالات میں مجھ ایسا عصیاں کاری میں نامور آدمی اگر یہ احساس کر لے کہ وہ اللہ کے گھر کے سامنے ہے اور اس

مرکزی مقام پر پہنچ گیا ہے' دنیا بھر کے مسلمان جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو کتنا اچھا ہے اور ہمیں پاکستان اور ہندوستان کی معاشرت میں یہ سکھایا گیا ہے کہ نہ مغرب کی طرف' جس سمت کعبۃ اللہ ہے' کوئی مسلمان پاؤں کر کے لیٹے گا' نہ اُس طرف منہ کر کے پیشاب کرے گا۔ اس سمت کا ادب و احترام ہماری گھُٹی میں پڑا ہوتا ہے جدھر خدا کا گھر ہے۔

سعودی اور احترامِ کعبہ

ادب و احترام کے یہ تقاضے ہمارے پیشِ نظر تو ہوتے ہیں' سعودی عرب کے رہنے والوں میں کچھ حجازی مدنی لوگ بھی اس کا اہتمام کرتے ہیں' عام لوگ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ آپ مکہ اور مدینہ کے حرم میں کسی عرب نما آدمی کو خانۂ کعبہ کی طرف یا حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ کی طرف ٹانگیں پھیلائے ہوئے بیٹھا بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایک حاجی صاحب نے بتایا کہ حج کے موقع پر ایک کفیل نے ان کے ایک واقف کار حاجی سے مکہ معظمہ میں رہائش کے سلسلے میں کچھ رقم زیادہ لے لی۔ ان کی آپس میں تکرار ہو گئی تو کفیل نے کہا کہ تم کیا ہو' ہم نے تو تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مکّے سے نکال دیا تھا' جو کر سکتے ہو' کر لو۔ دروغ بر گردنِ راوی۔

مُدّت ہوئی' اُردو ڈائجسٹ کے ایڈیٹر الطاف حسین قریشی سعودی عرب گئے۔ انہیں پہلی رات جدّہ کے کسی ہوٹل میں گزارنا پڑی۔ انھوں نے اپنے جریدے میں جو احوال لکھے' ان میں یہ حال بھی تھا کہ صبح اُٹھ کر انھوں نے ویٹر کو بلایا اور اس سے قبلہ کی سمت پوچھی تو اس نے جس سمت اشارہ کیا' وہ وہی تھی جدھر وہ رات پاؤں کر کے سوئے تھے۔ انھوں نے اظہارِ تعجّب کیا تو ویٹر نے ان کی سوچ پر جوابی استعجاب ظاہر کیا۔ ہمارے یہاں تو کوئی شخص کسی ولی اللہ کے مزار کی زیارت کے لیے آ جائے تو لوگ اس سے نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور اس کی عقیدت و ارادت کی پذیرائی ہوتی ہے۔ لیکن سعودی عرب میں عام

طور سے حالت کچھ نہ کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ مدینۂ طیبہ میں تو صورتِ حال پاکستان ہی کی سی لگتی ہے لیکن جدّہ میں زائرین کی پذیرائی اس انداز میں ہوتی ہے جیسے ڈاکوؤں چوروں کی ہو سکتی ہے۔ خصوصاً پاکستانیوں کے بارے میں ان کے دل قطعاً صاف نہیں لگتے۔

بیرونِ ملک پاکستانیوں کا تخصّص

ممکن ہے' پاکستانی بھی بیرونِ ملک جا کر اپنے بارے میں اچھا تاثر نہ چھوڑتے ہوں۔ مغربی ممالک کے حوالے سے تو پاکستانیوں کے کئی لطیفے مشہور ہیں۔ ایک صاحب کسی ملک میں دو تین بار سڑک کے کنارے لگی ہوئی مشین سے بُوٹ پالش کروا چکے تو "مفت" لگانے کی سوچی۔ مشین کا سسٹم یہ تھا کہ آدمی نے پاؤں مشین کے نیچے بنی ہوئی جگہ میں پھنسا دیا۔ مشین نے بُوٹ پالش کر دیا اور آواز پیدا ہوئی۔ اس نے دوسرا پاؤں آگے کر دیا۔ بوٹ پالش ہو گیا تو مشین نے پاؤں پکڑ لیا۔ آدمی نے مطلوبہ رقم مشین میں ڈال دی تو مشین نے پاؤں آزاد کر دیا۔

ان صاحب نے چوتھے دن یہ کیا کہ ایک مشین سے ایک بوٹ پالش کروایا اور اگلی سڑک پر نصب دوسری مشین سے دوسرا بوٹ' پالش کروا کر چلتے بنے۔ تھوڑی دیر بعد کوئی ملکی' مشین میں پاؤں پھنسا بیٹھا۔ اس نے دایاں پاؤں ڈالا تو مشین نے وہی پکڑ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ مشین کا سسٹم یہ نہیں ہے۔ سمجھا کہ مشین خراب ہو گئی ہے۔ واویلا کیا تو پولیس والا آیا' اس نے فون کر کے متعلقہ محکمے کے کسی ذمّہ دار کو بلایا۔ اس نے مشین کھولی تو معلوم ہوا کہ مشین خراب نہیں ہے بلکہ کسی پاکستانی کی دستبُرد کا شکار ہو گئی ہے۔

مشینوں کی "حرکت"

میری خوش گمانی ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے جانے والے پاکستانی تو سعودی عرب میں

ایسی کسی حرکت کے مرتکب نہیں ہوتے لیکن ملازمت کے خواہاں لوگ یہاں بھی کچھ نہ کچھ کرسکتے ہیں۔ حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کے ساتھ تو سعودی عرب کی مشینیں اِس قسم کی حرکتیں کرگزرتی ہیں۔ جب میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ گیا تو مدینۂ طیبہ میں ہم ہر روز ظہر کی نماز کے بعد جنّتُ البقیع کے دروازے کے سامنے سے دائیں طرف ہو کر شارعِ علیؓ ابن ابی طالبؓ کی طرف نکلتے اور کسی طیّارے میں سوار ہو کر عمرہ کی نیّت سے مسجدِ قبا جاتے۔

طیّارے کو رُکوانے سے پہلے میں رفیق احمد خاں کو آواز دیتا' وہ رہی مشین۔ وہاں تین مشینیں مشروبات کی نصب تھیں۔ مشین کے اوپر کے حصے پر یا تو ٹین کی پیکنگ میں سفن اپ (سیون اپ) بیسی (پیپسی) شانی اور کچھ دوسری بوتلیں نظر آ رہی ہوتی ہیں اور ہر بوتل کے نیچے بٹن ہوتا ہے۔ یا بوتلیں نہیں ہوتیں' بوتلوں کی تصویروں والے بٹن ہوتے ہیں۔ مشین میں ایک جگہ بنی ہوتی ہے جہاں آپ ایک ریال کا نوٹ ڈالتے ہیں' نوٹ کا اگلا حصہ آپ ڈال دیں تو باقی حصہ مشین خود کھینچ لیتی ہے۔ ریال مشین نے ہضم کر لیا تو آپ جو بوتل پینا چاہیں' اس کے نیچے لگے ہوئے بٹن کو دبائیں۔ بوتل کھناک سے باہر آ جائے گی۔ اوپر لگا ہوا ایک ہک سا آپ نے کھینچ کے باہر نکال پھینکا اور ٹھنڈی بوتل پی لی۔ اب تو لاہور میں بھی ٹین کی پیکنگ میں یہ بوتلیں کہیں کہیں ملنے لگی ہیں اگرچہ مہنگی بہت ہیں۔ پاکستان میں ابھی ان کا پلانٹ کہیں شروع نہیں ہوا اس لیے۔

ہم دو دن تو ایک مشین سے اپنی مرضی کی بوتلیں نکالتے رہے۔ تیسرے دن دوسری مشین پر طبع آزمائی کی۔ پہلا نوٹ ڈالا تو نوٹ ہضم کرنے کی حد تک تو مشین درست تھی۔ بٹن دبایا تو مشین نے کام کا دوسرا حصہ انجام دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔ سعودی عرب والوں کا ایک ریال ہی مشین میں گیا تھا' ہمارے سات روپے دفن ہو گئے تھے۔ ہم نے باری باری سارے بٹن دبا آزما لیے کہ کسی نسل کی بوتل مل جائے لیکن مشین صاحبہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ ہم نے تھپڑ اور مُکّے بھی رسید کیے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مجبوراً پھر پہلی مشین کی طرف بڑھے اور اس سے چونکہ پرانی صاحب سلامت تھی' اس نے دھوکا نہ دیا۔

امیریا کیشئیر

رفیق احمد خاں کو ہم نے کیشئیر بنا لیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کسی ایک کو امیر بنا لیا جاتا لیکن اس سلسلے میں مجھے ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے میں نے خزانچی ہی کا عہدہ استعمال کیا۔ ۱۹۷۴ء کے ستمبر کے شروع میں مجھے میرے دفتر کے ایک ساتھی افسر امام زیدی نے اُن کی چھکڑا قسم کی موٹر سائیکل پر کاغان چلنے کی دعوت دی۔ پہاڑی مقام میری کمزوری ہے۔ میں فوراً تیار ہو گیا اور ہم ۱۷۵ سی سی کے ہونڈا پر کاغان چلے گئے۔ میں نے اس سفر میں انھیں امیر مان لیا اور خود غریب ہو گیا۔ میں انھیں کچھ زیادہ قریب سے نہیں جانتا تھا۔ پنجابی کی ایک مثل ہے "واہ پیا جانے یا راہ پیا جانے" یعنی کسی آدمی سے واقفیت جب ہوتی ہے جب آپ کا لین دین کے معاملے میں واسطہ پڑے یا آپ کسی سفر پر اکٹھے ہوں۔ اس سفر میں افسر امام کی بہت سی صلاحیتیں سامنے آئیں جن میں ایک اُن کی کنجوسی بھی تھی۔ انھوں نے اتنے کم پیسوں میں مجھے ناراں اور جھیل سیفُ الملوک کی سیر کرائی کہ میں ندامت کی شدّت کے زیرِ اثر آپ کو بتا نہیں سکتا۔ افسر امام میرے امیر تھے' میں تو انھیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن یہ تو طویل کہانی ہے' اور ایسی بہت سی کہانیاں صاف صاف لفظوں میں' میں اپنی خود نوشت میں لکھنے والا ہوں۔

رفیق احمد خاں کو ہم نے امیر قرار تو نہیں دیا' پیسے انھیں تھما کر امیر کر ضرور دیا۔ ان پر بھی ایک آدھ بار کنجوسیت کا ہلکا ہلکا دورہ پڑا۔ یوں' کہ وہ راستہ جو ہمیں دو ریال فی کس کے خرچ سے طے کرنا تھا' انھوں نے ایک ایک ریال کی بوتل مشین سے نکال کر ہمیں تھمائی اور پیدل چلاتے ہوئے وہ راستہ طے کرا لیا اور تین ریال بچا لیے۔

طیّارہ اور عُمرہ

ہم نے مدینہ شریف میں اِدھر اُدھر سفر کی کوشش میں محسوس کیا کہ ٹیکسی مہنگی ہے اور طیّارہ سستا۔ طیّارہ اس گاڑی کو کہتے ہیں جس میں ایک سیٹ ڈرائیور کے ساتھ ہوتی ہے، تین سیٹیں اس کے پیچھے اور اس کے بعد سامان وغیرہ رکھنے کے لیے جگہ ہوتی ہے۔ اب مجھے گاڑیوں کے نام وغیرہ تو آتے نہیں۔ ہمارے بعض دوست دُور سے دیکھ کر بتا دیتے ہیں، یہ ٹویوٹا کرولا ہے، یہ شیراڈ، یہ ڈاٹسن ہے، یہ کچھ اور۔ میرے لیے سب ایک سی ہیں۔ ہم جس دن (۵۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو) صبح مکّہ سے چلے، جدّہ پہنچے، وہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعے مدینۂ معظمہ آئے، ------- اس دن بھی ہم نے مسجدِ قبا میں عمرہ کیا اور بعد کے آٹھ دنوں میں بھی اس کا التزام کیا۔ البتہ جس دن ہمیں واپسی کا سفر کرنا تھا، وقت کی کمی کے باعث یہ سعادت حاصل نہ کر سکے۔

سِتّہ اور ''کُلُّ''

تجربے نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ طیّارہ والے من مانا کرایہ مانگتے تھے لیکن دو ریال فی کس مناسب کرایہ تھا۔ چنانچہ یہ طے ہو گیا کہ ہم میں سے جس کو طیارہ آتا دکھائی دیتا، وہ اسے ٹھہرنے کا اشارہ کرتا۔ طیارہ رکتا تو فیاض حسین چشتی آگے بڑھتے۔ اسے کہتے، مسجدِ قبا۔ ڈرائیور کچھ کرایہ بتاتا۔ کبھی اردو میں، کبھی عربی میں۔ کرایہ مختلف لوگ دس ریال سے تیس ریال تک مانگتے رہے۔ لیکن ڈرائیور جو کچھ بھی کہتا، فیاض صاحب ایک ہاتھ کی پانچوں اور دوسرے ہاتھ کی ایک انگلی کھڑی کرتے اور پھر ہم دونوں کی طرف اشارہ کر کے انگلی کو گولائی میں گھما کر کہتے ''کُلُّ''۔ مطلب یہ تھا کہ تینوں مسافروں کے چھ ریال منظور ہوں تو آ جائیں؟۔ ایک آدھ ڈرائیور سر ہلا کر چلا جاتا لیکن دوسرا تیسرا، آدمی تیار ہو جاتا۔ میں نے فیاض صاحب سے کئی بار کہا کہ چھ کو سِتّہ کہتے ہیں، لیکن انہیں اپنے ہاتھوں کی اشاراتی زبان اور کُلُّ کے لفظ پر اندھا اعتماد تھا------ اور، اس اعتماد نے ہمیں کبھی دھوکا نہ دیا۔

پاکستانی لباس اور اُردو

شلوار قمیص میں ملبوس پاکستانی تو دور سے پہچانے جاتے ہیں۔ میں دہلی گیا تو مجھے کئی ساتھیوں نے کہا کہ میں پینٹ شرٹ استعمال کروں اور وہاں اس انگریزی لباس کے استعمال کے فوائد حاصل کروں لیکن میں نے اپنی پاکستانیت سے فرار کو اس طرح بھی گوارا نہ کیا۔ سعودی عرب میں جن پاکستانیوں یا ہندوستانیوں کو پکڑ دھکڑ کا خطرہ ہوتا ہے، وہ عربی توپ چڑھا لیتے ہیں لیکن ہم وہاں بھی پاکستانی ہی نظر آئے۔ مکّۂ پاک اور مدینۂ طیبہ میں ہمیں شلوار قمیص میں دیکھ کر عرب دکاندار بھی اردو میں قیمت بتاتے تھے۔ ایک دن ہم تینوں دوست ایک دکان سے کچھ خریدنے گئے تو وہاں ناشپاتیاں بھی دکھائی دیں۔ وہاں کئی دکانیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں جنرل سٹور کی خاصیت بھی ہوتی ہے، کریانہ فروشی بھی نظر آتی ہے اور سبزی اور پھل بھی ہوتے ہیں، وہ ایسی ہی دکان تھی۔ ہم نے ناشپاتیوں کا بھاؤ پوچھا تو دکان دار نے کہا، آدھ روپیہ کلو۔ ہم بڑے خوش ہوئے، اسے ایک کلو ناشپاتیوں کا آرڈر دیا۔ ناشپاتیاں لے لیں تو رفیق احمد خاں نے اسے پانچ ریال کا نوٹ دیا۔ اب دکاندار کا ذخیرۂ الفاظِ اُردو تو جواب دے ہی چکا تھا، اس کی عربی ہماری سمجھ سے یوں بالاتر تھی کہ وہ ہم سے اور پیسے مانگتا تھا اور ہم اس سے ساڑھے چار ریال واپس چاہتے تھے۔

سعودی عرب کی کئی دکانوں میں اس امر کا بھی التزام موجود ہے کہ ملازموں میں سے ایک آدھ اردو بولنے یا سمجھنے والا ہو۔ ایسے ایک صاحب نے جب ہمیں صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ یہ تھی کہ دکاندار ہم سے آٹھ ریال طلب کرتا تھا اور یہی بھاؤ اس نے بتایا تھا لیکن ''ٹھ'' کا تلفظ ہی اس کے لیے ممکن نہیں تھا، اس لیے ہم اسے آدھ ریال سمجھے۔

غیر مربوط گفتگو

قارئینِ محترم! میں نے آغاز ہی میں کہیں آپ کو بتا دیا تھا کہ میں سفرنامے لکھنے

کے آداب سے واقف نہیں' اور لکھنے والا بھی جیسا کچھ ہوں' ظاہر ہی ہے۔ اس لیے آپ مجھ سے کسی مربوط گفتگو کی توقع نہ رکھیں۔ لیکن اُس وقت شاید آپ کو میری بات کا یقین نہ آیا ہو گا اور اب آپ میری تحریر کی بھول بھلیوں میں میری طرح پھنس گئے ہیں تو جو کچھ جیسے مجھے یاد آتا ہے' وہ سُننے پر مجبور ہیں۔ پہلے عمرے کے سفر کے حوالے سے میں اپنی والدۂ محترمہ (اب مرحومہ بھی) اور خالہ جان کی معیّت میں کعبۃُ اللہ کے قریب پہنچ گیا تھا کہ پھر کوئی اور بات یاد آ گئی اور میں نے وہ بیان کرنا شروع کر دی۔

صفا اور مروہ

کعبۃُ اللہ کے اردگرد خاصی کھلی جگہ ہے۔ پھر برآمدے ہیں۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں برآمدوں میں آ گئی ہیں اور اب وہاں سعی کرنے والے پکّے اور ٹھنڈے فرش پر چلتے ہیں' تھوڑا بھاگتے ہیں اور سات یا ساڑھے تین چکّر پورے کرتے ہیں۔ صفا اور مروہ کی نشانیوں کے طور پر کچھ پتھر باقی رہنے دیے گئے ہیں۔ صفا پر زیادہ ہیں' مروہ پر کم۔ دونوں طرف پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ کبھی آبِ زمزم سے بھرے ہوئے کُولر دونوں طرف کی دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے ہوتے ہیں' کبھی نہیں بھی ہوتے۔ لیکن میں تو کعبۃُ اللہ کے گرد طواف کرنے والا تھا۔

میں تو خیر کوئی اچھا ادیب یا انشا پرداز ہی نہیں ہوں۔ کوئی اچھا لکھنے والا بھی ہو تو کعبۃُ اللہ کے سامنے پہلی حاضری اور روضۂ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی مرتبہ کی حاضری کی کیفیت بھی نہیں لکھ سکتا۔ رنگ آمیزی کرنے والے کر لیتے ہوں گے' میں تو یہ فن بھی نہیں جانتا۔ اس لیے اپنے جذبات اور احساسات کو قلم بند نہیں سکتا۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ دماغ عظمتِ کعبہ کے احساس سے مملو تھا اور میں یہ سوچ سوچ کر جھکا جا رہا تھا کہ میں خدا کے اس گھر کے سامنے ہوں جس کی بے ادبی کا ہم کوسوں دور رہتے ہوئے بھی تصوّر نہیں کر سکتے۔ کوئی نادانستگی میں بھی کوئی ایسی حرکت کر رہا ہو جس سے کعبہ کی

بے حرمتی کا شائبہ ہوتا ہو تو لوگ اسے ڈانٹنے ڈپٹنے لگ جاتے ہیں۔

فتووں کی سان

دماغ میرا بہت متاثّر تھا لیکن دل پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔ میں ۱۹۹۹ء میں پہلی بار اس مقدس سفر پر گیا تھا' یار دوست مجھے اُکساتے رہے کہ سفرنامہ لکھو لیکن میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اپنے ادیب اور انشا پرداز نہ ہونے کے احساس کے ساتھ ساتھ اس خیال نے بھی مجھے اِس کام سے باز رکھا کہ اگر صاف صاف اپنی وارداتِ قلب بیان کروں گا تو پتا نہیں' قارئین پر مثبت اثر ہو یا منفی۔ پھر میری پتا نہیں' کون کون سی بات بآسانی فتووں کی سان پر چڑھ سکتی ہو۔ اور مجھے جاننے والے جانتے ہیں کہ میں علماءِ حق کا بہت احترام لیکن "علمائے کرام" پر ہمیشہ تنقید کرتا رہا ہوں۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مرکزی مجلسِ رضا قائم کی' اس کو اپنا خونِ جگر پلایا' اس کے لیے دن رات ایک کیے' اس کے لیے اپنا مطلب نظر انداز کیا۔ لیکن آخر یہ مجلس بعض صاحبانِ جُبّہ و دستار کی دستبرد کی شکار ہو گئی تو میں نے اس حقیقت کے باوصف کہ میرا مرکزی مجلسِ رضا سے کبھی کوئی تعلق نہیں ہوا' غلط کاروں کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے بھی' میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے' کبھی مداہنت اور منافقت کا شکار نہیں ہوا' اس لیے منافقت مآب علمائے سوء نے مجھے کبھی اچھا نہیں سمجھا۔

کعبۃُ اللہ کا طواف

اب سفرنامے کے عنوان سے کچھ لکھ رہا ہوں تو اس میں اپنی روش کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ مناسب تو شاید یہ ہوتا کہ میں لکھتا کہ کعبۃُ اللہ کو دیکھتے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا' رقّت و گریہ سے میرا گلا رُندھ گیا اور دل کی دھڑکن بند ہوتے ہوتے رہ گئی۔ لیکن واقعہ یہ

ہے کہ جب ہم نے حجرِ اسود کے سامنے فرش پر کھینچی گئی لمبی لکیر پر کھڑے ہو کر سلام کے ساتھ طواف کی نیّت کی۔ میں نے احرام میں ضروری تبدیلی کی کہ دایاں کندھا ننگا کر لیا اور طواف شروع کیا' تو رات کا ڈیڑھ بجا ہو گا۔ کعبۃُ اللہ کا طواف تو چوبیس گھنٹوں کی ہر ساعت میں جاری رہتا ہے' کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ طواف نہ ہو رہا ہو۔ فرض نمازوں کے وقت طواف رُکتا ہے اور سلام پھیرتے ہی پھر شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن رات کے اس پہر لوگ بہت کم تھے۔ اتنے کم کہ ہر شوط (چکر) پر تھوڑی سی محنت سے ہم حجرِ اسود کو بوسہ بھی دے لیتے تھے۔

"رقیق القلبی" کیا ہوئی؟

میں نے پہلا چکر مکمل کیا تو میرے دل پر متوقع اثر نہ ہوا۔ میں سمجھتا تھا اور میں نے زیارتِ حرم مکہ کرنے والوں سے یہی سنا بھی تھا کہ خانۂ کعبہ کو دیکھتے ہی فرطِ ہیبت و جلالت سے ان کا یہ حال ہو گیا کہ وہ لرزہ بر اندام ہو گئے یا شدتِ گریہ سے ان کی گھگھی بندھ گئی۔ لیکن میں نے کوشش بھی کی تو رونے میں کامیاب نہ ہوا۔ مجھ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ میں ادھر کچھ برسوں سے بہت رقیقُ القلب ہو گیا ہوں۔ اور میری کمزوری سے واقف کچھ لوگ تو مجھے اس کیفیت میں مبتلا کر کے اپنا اُلّو بھی سیدھا کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتے رہے ہیں۔ ایک جعلی ڈاکٹر نے ہمارے کچھ دوستوں سے انھیں سعودی عرب بھیجنے کے جھانسے میں پیسے بٹور لیے۔ ظاہر ہے کہ لمبی رقم تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب میرے پاس بھی بیٹھتے تھے اور وہاں مدینۂ طیبہ کی یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں کر کر کے مجھے رُلاتے رہتے۔ اس طرح میرے دوستوں کو یہ تاثّر دیتے رہے کہ وہ رشید کے دوست ہیں۔ اور اس تاثّر کو مضبوط کر کے ان سے پیسے بٹورتے رہے۔

ہاں'۔۔۔۔۔ تو میں نے کعبۃُ اللہ کے گرد تین چکر اس کیفیت میں پورے کیے کہ اللہ کے گھر کا تصور میرے دل پر یوں اثر انداز نہیں ہو رہا تھا کہ میری محبت کی کیفیت جاگتی

یا کم از کم ہیبت کی زیادتی ہی کے اثر سے مجھ پر رقّت طاری ہو جاتی۔ تیسرے چکر میں تو میں کچھ پڑھنا وڑھنا بھی بھول گیا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ میں پتھردل ہو گیا ہوں اور شک ہونے لگا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑنے والا اگر کعبۃُ اللہ کی عظمت اور محبّت کے احساس سے عاری رہتا ہے تو کہیں یہ راندۂ درگاہِ خداوندی تو نہیں ہو گیا ہے۔

کعبہ قبلہ کیسے بنا!

تیسرے شوط کے اختتام پر میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی نیّت سے جب وہاں موجود چند آدمیوں کی قطار کے قریب کھڑا ہو کر امّاں جی اور خالہ جان کو اس سعادت سے پہلے کی طرح بہرہ ور کرنے کے لیے آڑ بن گیا تو میرا یہ عمل عبادت کا نہیں رہ گیا تھا' میرے ایک واقف عزیز محمد کی طرح عادت کا ہو گیا تھا۔ ان کے متعلق ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ وہ عبادتاً نہیں' عادتاً نماز پڑھتے ہیں۔ پریشانی میرے حواس کو مختل کیے دے رہی تھی۔ میں چوتھے چکر میں تھا کہ اللہ کریم نے مجھ پر لطف و کرم فرمایا۔۔۔۔۔۔۔ میرے ذہن نے جو پہلے ہی سے عظمت و جلالِ کبریا کے احساس سے میرے وجود کو لرزانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا' میرے دل کو جو کچھ سمجھایا' وہ محض کرم خداوندی تھا۔ مجھے یکایک یہ خیال آیا کہ میں اس خانۂ خدا میں حاضر ہوں' اس کا طواف کر رہا ہوں' جسے میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا نے بیت المقدس کے بجائے قبلہ بنانے کی خواہش کی تھی اور اللہ کریم نے اس خواہش کے تحت اسے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حوالہ آتے ہی مجھے کعبۃُ اللہ کی عظمت کا صحیح احساس ہوا' اس کی جلال کے اثر نے دل پر ایسی کیفیت طاری کی کہ میں بھیگ گیا۔ میں نے اپنے وجود کو سرور و کیف کے ہنڈولوں میں جھولتے پایا۔ یوں لگا کہ میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ سچ ہے' مسلمانوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا حوالہ اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے سے ہے۔ ہمیں جس توحید کا درس دیا گیا ہے' وہ رسالت

کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ پر ختم نہیں ہوتا' محمدٌ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ "سخن خدا را ازاں می پرستم کہ رہبر محمد است" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

توحید کا اعلان اور اس کی دلیل

آپ دیکھیے' حضور رسولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم نے جب توحیدِ الٰہی کا اعلان فرمایا تو اس کے لیے دلیل کیا دی۔ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ انسانوں' جانوروں' زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اسے مان لو۔ کسی معجزے کے ذریعے لوگوں کی عقل کو سلب کر کے اعلانِ توحید نہیں فرمایا'۔۔۔۔۔ کہ لوگ اس ان دیکھی ان جانی ہستی کو ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ پہلے پیغمبروںؑ نے عام طور سے اپنی قوم کو اُس وقت دعوت دی جب کسی معجزے نے ان کی عقلوں کو عاجز کر دیا تھا۔ لیکن حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے توحید کا پیغام دینے سے پہلے اپنی ذاتِ گرامی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوہِ صفا پر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مان لو گے؟ سامعین نے عقل دوڑائی' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چالیس برس ان کے سامنے آ گئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچپن' لڑکپن' شباب اور اب چالیس برس کی عمر تک کے ماہ و سال اُن کے سامنے تھے'۔ وہ ان چالیس برسوں کے کسی ایک لمحے پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ انہوں نے عقل کی بنیاد پر تسلیم کیا کہ اگر آپ فرمائیں گے تو ہمارے لیے ماننے کے سوا چارہ نہیں ہو گا کیونکہ آپ نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس پر میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا کہ اگر میری زندگی اچھائیوں سے عبارت ہے' میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو پھر تم یہ بات جو اٹل حقیقت اور صداقت ہے' مان لو کہ اللہ ایک ہے اور وہی

عبادت کے لائق ہے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں جتایا کہ میری زندگی کے تمام پہلوؤں سے واقف لوگو' اگر میری زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جس پر تم میں سے کوئی شخص اعتراض کر سکے تو مان لو کہ اللہ ایک ہے۔ یہ درست ہے کہ کفارِ قریش جہالت کے غلبے یا آباؤاجداد کے مذہب سے نہ ہٹنے کے جنون میں فوری طور پر اسلام نہ لائے اور انہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت شروع کر دی لیکن آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے اس کے بعد بھی انہیں کبھی جھوٹا نہیں سمجھا' قتل کرنے کے درپے رہے لیکن امانتیں پھر بھی انہی کے پاس رکھواتے رہے۔

آپ تصوّر فرمائیے' کیا ایسا ہی نہیں ہُوا ہو گا کہ میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی مخالفت کے لیے سازشیں کرتے نہ تھکنے والوں میں سے جو جو کافر تنہائی میں یا اپنی نجی بے تکلّف محفل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں سوچتا یا بات کرتا ہو گا' کیا یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہو جاتا ہو گا کہ جس شخص نے زندگی کی کسی سٹیج اور عمر کے کسی حصے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا' وہ اعلانِ توحید کے بارے میں بھی سچّا ہو سکتا ہے۔ اور' میرا ایمان ہے کہ اسی سوچ نے آخر کار ایک ایک کر کے انہیں اسلام کے دروازے پر لا جھکایا۔ یوں' یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی توحید کو دلوں میں راہ دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ کو دلیل بنایا اور جلد یا بدیر ان لوگوں کے لیے یہی دلیل محکم ثابت ہوئی۔

تحویلِ قبلہ کا اثر

میرے ذہن نے میرے دل کو کعبۃُ اللہ کی عظمت سمجھانے کے لیے جو دلیل دی تھی' اس سے بڑی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر بیتُ المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہتے تو ہم بھی آج اسی طرف منہ کیے بیٹھے

ہوتے۔ کعبۃ اللہ کو قبلہ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنایا۔ اور قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہی وجہ سے نماز کے دوران قبلہ تبدیل کر لینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ میں نے مدینۂ طیبہ میں مسجد قبلتین میں دونوں بار حاضری دی ہے اور یہ بات تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ کسی مسجد میں حاضری کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جاتے ہی اس میں دو نفل "تحیۃ المسجد" کے ادا کرے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ جب ظہر کی نماز کے دوران میں اللہ جل جلالہ' نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کی پذیرائی فرما کر انہیں مسجد حرام کی طرف منہ پھیر لینے کی اجازت عطا کر دی اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ بیت المقدس سے مسجد حرام کی طرف کر لیا تو میرا خیال تھا کہ سمت کا جو تھوڑا سا فرق ہو گا' اس کے مطابق صحابۂ کرامؓ بھی اسی طرف پھر گئے ہوں گے۔ مسجد قبلتین کی زیارت سے واضح ہوا کہ مدینۂ پاک میں بیت المقدس جس طرف ہے' مکّہ مکرمہ اس کے بالکل بالمقابل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑے سے نہیں مُڑے تھے' اپنا رُخِ مبارک پہلے جس طرف فرمائے نماز پڑھا رہے تھا' نماز ہی کے دوران میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ واپس صحابۂ کرامؓ کی طرف پھیر لیا ہو گا اور صحابۂ کرامؓ آدھا چکر کاٹ کر اپنے امام' انبیاءِ کرام کے امام علیہ السلام کے پیچھے آ گئے ہوں گے۔

نظر کا وضو

پہلے عُمرے کے چوتھے چکر میں مجھے ہوش آیا تو گویا مدہوشی طاری ہو گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اُس کوٹھے کے گرد گھوم رہا ہوں جو میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر قبلہ بنا تھا۔ پھر ذہن کے کچھ اور دریچے کھلے' دل میں کچھ وسعت پیدا ہوئی۔ نظر باوضو ہوئی تو دھندلاہٹ میں کچھ زیادہ ہی دیکھنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ جس جگہ میں چکر کاٹ رہا ہوں' یہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک بھی لگتے رہے تھے۔

دل سے ایک ہُوک اُٹھی' کاش اس فرش پر پتھر نہ ہوتے' وہی کنکر ہوتے جو میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کو چومتے رہے تھے۔ لیکن پھر خیال آیا' ایسا ہوتا تو میں عمرہ کیسے کر سکتا' میں ان کنکروں پر چل سکتا؟ میرے قدم ان سنگریزوں کو کیسے چھوتے' میرے ہونٹ کیوں نہ چھوتے' میری آنکھیں' میرا ماتھا وہاں کیوں نہ ٹکتا۔ اچھا ہی ہوا کہ اب کعبے کے اردگرد ایسا پتھر لگا ہوا ہے جو شدید گرمی اور دھوپ کے باوجود گرم نہیں ہوتا اور زائرین اُس کعبے کے گرد پروانہ وار گھومتے ہیں جسے ہمارے آقا علیہ التحیۃ والثنانے ہمارے سجدوں کے لیے پسند فرمایا تھا' جس طرف سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سجدے فرماتے رہے۔

اشکوں کے بادل اور سحابِ رحمت کے چھینٹے

میں پانچویں بار حجرِ اسود کے قریب پہنچا تو اشکوں کے بادل گھر کر آ گئے' میرا وجود کبھی تنکے کی طرح ہلکا محسوس ہوتا کہ میں اوپر' اور اوپر اُڑا جا رہا ہوں اور کبھی اتنا بھاری ہو جاتا کہ قدم اٹھانا دوبھر معلوم ہوتا۔ قلب کا وہ پمپ جو پھیپھڑوں کو خون سپلائی کرتا اور وہاں سے آکسیجن حاصل کرتا ہے' کبھی اپنا کام تیزی سے شروع کر دیتا' کبھی شاید اپنا کام بند کر دیتا۔ اپنے معاصی کا خیال آتا تو دل کی دھڑکن بند ہوتی دکھائی دیتی اور اس کرم کو دیکھتا کہ وہ کالا پتھر جو چومنے جا رہا ہوں' جس سے میرے آقا' کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک مَس ہوتے رہے تو دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو جاتی کہ شاید ابھی نکل دوڑے گا۔ میرے ذہن و احساس کے بند جھروکے کھل چکے تھے' ان سے کرم سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تازہ ہوا اور سحابِ رحمت کے چھینٹے در آنے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے ہونٹ حجرِ اسود سے جا ملے۔ اس مرتبہ جی چاہا کہ ہونٹوں کو اس مقدس پتھر سے جُدا نہ کروں' اور یہ سوچا کہ اگر ایسا ہو کہ اسی حالت میں اجل آ جائے تو کتنا اچھا ہو۔ لیکن یہ دل کی تمنا تھی' دماغ نے سمجھایا کہ دوسرے جو اہلِ محبت اس سعادت کے

لیے انتظار میں ہیں' ان کے صبر کا امتحان نہ لو' انہیں بھی محبت کی اس معراج پر پہنچنا ہے' ان کے راستے کی دیوار نہ ہو۔ اور میں بھیگا ہوا چہرہ لیے' پھر چل پڑا۔

چالیس برس ------ ایک معجزہ

اسلام کی دعوت عقل کو سلب کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی ہستی کو منوانا تھا تو بھی دلیل سے منوایا حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہستی تک عقل کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ "خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا" لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی ہستی کو منوانے کے لیے اپنی زندگی کے وہ چالیس برس پیش کیے تھے جن کے بارے میں یار لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دنوں ایک عام آدمی تھے' نبی نہ تھے۔

نبی کب سے؟

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ جب آپ اس دنیائے آب و گل میں تشریف فرما ہوئے تو اپنی اُمّت کو یاد کر رہے تھے اور اپنے خدا سے اپنی اُمّت کی بخشش کی دعا فرما رہے تھے۔ پیدائش کے وقت معجزے ظاہر ہوئے' بچپن میں معجزے رونما ہوئے۔ اپنے چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ سفرِ شام پر تشریف لے گئے تو راہب بحیرا نے پہچان لیا اور حضرت ابو طالبؓ کو انہیں سفر پر ساتھ ساتھ نہ لیے پھرنے کو کہا تو اُن کے اس استفسار پر کہ آپ نے کیسے پہچان لیا کہ یہ نبی ہیں' بحیرا نے کہا' تم نے دیکھا نہیں' جب یہ پہاڑی سے اُتر رہے تھے' درخت انہیں سجدے کرتے تھے۔

غرض' کائنات کا ذرہ ذرہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں۔ حضور

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے قدم قدم پر معجزات رونما ہو رہے تھے لیکن ہم کہتے ہیں کہ انہیں چالیس برس کے بعد نبوّت عطا ہوئی اور پہلی وحی آئی تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کپکی طاری ہو گئی۔ کچھ حوصلہ حضرت خدیجہؓ نے دیا' یہ بات ورقہ بن نوفل نے بتائی کہ آپ نبی ہیں۔ بلکہ یہ تک بھی کہا گیا کہ پہلی وحی کے بعد جب دوسری وحی نہ آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذُ باللہ) خُودکشی کرنے کی کوشش بھی کی۔ بھائیو! میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے فتووں کی سان پر کسا جا سکتا ہے۔ آپ ان باتوں کو حدیثیں بتا کر مجھ پر لگا دیجیے فتوی۔ لیکن مجھے کچھ سمجھایئے بھی تو' آخر یہ سب کچھ ہے کیا؟

جواب کیا ہے؟

تین چار سال ہوئے' لاہور کے عیسائی حضرات نے ایک پوسٹر شائع کیا تھا جس میں مسلمانوں کی کتابوں کے حوالے سے لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ تو قرآن کی رُو سے ولادت کے موقع پر اپنے خدا کے بندے اور صاحبِ کتاب نبی ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس کے بعد بھی یقین نہیں آتا کہ وہ نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ تو مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق چوتھے آسمان پر حیات ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام ایک مشہور مولوی کے بقول (نعوذ باللہ) مٹی میں مل چکے ہیں۔ انہوں نے اس طرح کے حوالے اکٹھے کر کے لکھا تھا کہ اب مسلمانوں ہی بتا دیں کہ ان کے نبی ہمارے نبی سے مرتبے میں بڑے کیسے ہوئے؟ مجھے بتایئے' میں عیسائیوں کو کیا جواب دوں۔

روزِ ازل کے نبیؐ

میں تو ایسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمّتی ہوں جن کے متعلق اللہ کریم نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ اُن پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا' اور انہیں ایک دوسرے پر گواہ بنا کے'

خالق خود بھی اس میثاق کا گواہ بنا تھا۔ میں تو ایسے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتی ہوں جنھوں نے توحید کے پیغام کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانے اور دلوں میں راسخ کرنے کے لیے اپنی چالیس سالہ زندگی دلیل کے طور پر پیش کی تھی اور اس چالیس سالہ حیاتِ مبارکہ کا لمحہ لمحہ ایک نبی کا لمحہ تھا' خدا تعالیٰ کے محبوب کا لمحہ تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی ایک ایک ساعت کو نبی و آخرالزماں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ایک امتی کی حیثیت سے توحید کی واضح دلیل سمجھتا ہوں اور جو کفار شروع میں اسے تسلیم نہیں کرتے تھے' بعد میں اُن کے دلوں نے اس کے سوا راہ نہ پائی کہ وہ بھی مان لیتے۔

عمرہ' حج اور "درجہ"

میں کعبۃُ اللہ کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اللہ جانتا ہے' کئی بار یہ محسوس ہوا کہ میں گنتی بھول رہا ہوں' پتا نہیں' کتنے چکر ہو چکے ہیں' کتنے رہتے ہیں۔ پہلے تین چکر جو حالتِ کرب میں کاٹے' وہ تو یاد تھے' پھر کچھ پتا نہ چلا۔ کبھی کبھی تو میں والدہ صاحبہ اور خالہ جان کے وجود کو بھی فراموش کر بیٹھتا تھا۔ اماں جی' جن کے بارے میں میرے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء نے مجھے فرمایا کہ ماں کے چہرے کو محبت کی آنکھ سے دیکھنا حج کے برابر ہے۔ اور' میں والدہ کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے اسی نیت سے گیا تھا کہ وہاں عمرے بھی کروں گا اور قدم قدم پر ماں کے چہرے کو محبت کی آنکھ سے دیکھ کر حج بھی کرتا رہوں گا۔ ہم اصل میں احساس نہیں کرتے' الفاظ کے معانی پر غور کی زحمت نہیں اٹھاتے ورنہ پتا چلے کہ ہم کس طرح رحمت کے حصار میں ہیں۔ ایک مشہور حدیث پاک ہے کہ جو مومن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بار درُود پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے' اس کے دس گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کر دیتا ہے۔ ہم اگر ان الفاظ پر غور کریں تو اللہ کی رحمت تو ہر شے کو محیط ہے۔ اور درجوں کے بارے۔۔۔ میں پچھلے دنوں میں نے ایک حدیث پاک پڑھی جس میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے کچھ لوگوں سے فرمایا کہ وہ تیر اندازی کریں۔ اگر ان کا کوئی تیر کسی کافر کو لگ گیا تو اُن کا ایک درجہ بلند ہو جائے گا۔ کسی صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) درجہ کیا ہوتا ہے؟ آقا حضور علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا' درجہ تمھاری ماں کی چوکھٹ نہیں ہے۔ دو درجوں کے درمیان ایک سو سال کا وقفہ ہے ۔۔۔۔۔ اب' اس وضاحت کی روشنی میں درودِ پاک پڑھنے کی عظمت کا اندازہ تو کریں۔

جانِ ایمان

غور کریں تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو کچھ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرما دیا ہے' اس کو تسلیم کرنے میں کسی سوچ بچار کو دخل دینا عاقبت بگاڑنا ہے۔ جب میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تو پھر ماں باپ کو محبت کی آنکھ سے دیکھ کر' ان کی خدمت کر کے' ان کا حکم مان کر سیکڑوں ہزاروں حج اور ڈھیروں نیکیاں کیوں نہیں کما لیتے۔ میرے ماں باپ میرے آقا و مولا علیہ السلام والثناء پر قربان' جب کعبۃُ اللہ کے گرد گھومتے ہوئے مجھے ان کا خیال آ گیا تو میں والدہ کو بھی بھُول بھول گیا۔۔۔۔۔ ایسا کیوں نہ ہوتا' مجھے والدین نے سبق یہی دیا۔ میری ماں نے لوریوں کے ذریعے میرے رگ و پے میں محبتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راسخ کیا' میرے ابا جان نے مجھے مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر لگا دیا۔۔۔۔۔ اور' یہ بتا دیا کہ بُخاری شریف کی اس حدیث کو کبھی نہ بھولنا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اولاد' اپنے ماں باپ اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

میرے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت کا کعبہ

کعبۃُ اللہ کا طواف کرتے ہوئے مجھے محبوبِ حقیقی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے

اعلانِ نبوت کا خیال آیا' اُن کے اس پیغامِ توحید کی یاد آئی جو انہوں نے اپنی چالیس برسوں کے بل پر کفار کو دیا تھا۔ میں خانۂ خدا کے گرد گھوم رہا تھا اور مجھے احساس تھا کہ وہ سنگ ریزے اور کنکر تو اب یہاں نہیں ہیں۔ کعبہ پر ایسا غلاف جو اب نظر آ رہا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہدِ تاباں میں تو نہ ہو گا۔ کعبہ کے اردگرد جو فرش اب موجود ہے اور ایسا ہے کہ سخت گرمی میں بھی اتنا گرم نہیں ہوتا کہ پاؤں جلنے لگیں' ظاہر ہے کہ اُس وقت نہ تھا۔ پتھر ہوں گے جن پر حدت کی شدت سے پاؤں جلتے ہوں گے۔ موسم گرما میں ظہر یا عصر کی نماز کے لیے اگر آپ کو کسی خوبصورت اور دیدہ زیب مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا ہو تو میری طرح پاؤں کے تلووں کے راستے گرمی کی شدت نے آپ کے بھی سارے جسم ہی کو تڑپا دیا ہو گا۔ اس گرمی کا احساس کر کے ذرا یہ سوچیں کہ ممکن ہے جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حرمِ کعبہ میں موجود لوگوں سے توحید کو تسلیم کرنے کی بات کی ہو گرمی پاؤں کے ذریعے بھی اور سر گردن اور کندھوں کے راستے بھی لوگوں پر اپنا اثر دکھا رہی ہو۔

شہیدِ اولؓ کی جانثاری کا مقام

میں کعبۃُ اللہ کے گرد چکر لگاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کعبہ کی تعمیرِ نو بھی ہوتی رہی اور حرمِ پاک کی توسیع بھی۔ لیکن کعبہ کا مقام تو نہیں بدلا' یہ تو اپنی جگہ ہے اور یہیں کہیں حطیم کے ادھر' یا رُکنِ یمانی کے قریب یا درِ کعبہ کے سامنے یا مقامِ ابراہیمؑ کے پاس جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچار کیا تھا اور کفار تلواریں سونت کر اس آواز کو دبانے کے لیے لپکے تھے جسے دبایا جا ہی نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ تو حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے بیٹے حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ اپنے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ الثناء کے لیے ڈھال بن گئے' تلواریں کھائیں اور اسلام کے شہیدِ اول کہلائے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جان' کائنات کی جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

پر نچھاور کی تھی' ۔۔۔۔۔۔ لیکن' اسلام اور کس کو کہتے ہیں؟۔ وہ اسلام ہی پر تو قربان ہو رہے تھے!

ابو طالبؓ کی محبت کا مظاہرہ

کاش مجھے کوئی بتاتا کہ حضرت ابو طالبؓ نے ابوجہل اور کافروں کے دوسرے سرداروں کو' خنجر کس جگہ دکھائے تھے۔ بئرِ زمزم کی طرف یا کعبہ کے سامنے؟ قارئینِ محترم! آپ کو علم ہی ہو گا کہ ایک دفعہ حضرت ابو طالبؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نظر نہ آئے تو انہوں نے کچھ نوجوانوں کو مسلح کر کے انہیں چادریں اُڑھا دی تھیں اور کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے ارادے سے' اپنے مسلح ساتھیوں کو لے کر چلے تھے۔ راستے میں زیدؓ بن حارثہ نے انہیں بتایا کہ حضور محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فلاں جگہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابو طالبؓ ان کے پاس گئے' انہیں ساتھ لائے اور ابوجہل اور دوسرے کافروں کے سامنے اپنے ساتھیوں کو چادریں ہٹانے کو کہا۔۔۔۔۔۔ اور کافروں سے فرمایا۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے فلاں جگہ نہ مل جاتے تو یہ جو خنجر تمہیں نظر آ رہے ہیں' یہ تمہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے تھے ۔۔۔۔۔۔ کاش' کوئی مجھے بتا سکتا کہ حضور باعثِ تخلیقِ موجودات علیہ الثنا والصلوٰۃ کے مہربان چچا حضرت ابو طالبؓ نے اُن سے محبت کا یہ مظاہرہ کس جگہ کیا تھا۔

حجرِ اسود کو چومنا

ہم کعبے کے گرد گھوم رہے تھے اور میرا گمان ہے کہ میری طرح اماں جی اور خالہ جان بھی قرنِ اول کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ جب ہم حجرِ اسود کے قریب سے گزرتے تو وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ اس وقت رش نہیں تھا' اُسے بوسہ دینے کی سعادت

حاصل کر لیتے۔ دوسرے یا تیسرے دن عمرہ کرتے ہوئے میں سوچنے لگا کہ یہاں حجرِ اسود کو چُومنے کے لیے بعض صورتوں میں لوگ خاصی دیر قطار میں کھڑے رہتے ہیں' بعض یہ سعادت حاصل کرنے کی کوشش میں دوسرے زائرین کو دھکے دینے کا جُرم بھی کر بیٹھتے ہیں۔ دن میں زائرین زیادہ ہوتے ہیں' نمازوں کے اوقات میں اور زیادہ ہوتے ہیں اور جمعرات اور جمعہ کو بہت سے لوگ قریب و دُور کے علاقوں سے عُمرے کی نیّت سے بھی آجاتے ہیں' اس لیے رش بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ دن رات کے تمام لمحات میں مسلمان حجرِ اسود کو چُومنے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ جسے ایک آدھ بار کامیابی ہو جاتی ہے' اسے پھر خواہش ہوتی ہے' وہ پھر کوشش کرتا ہے۔

اچھوت کی بیماریاں

کسی ایک کو کسی دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس حد تک صحت مند ہے۔ ہو سکتا ہے' آپ سے پہلے جو شخص حجرِ اسود کو چوم کر گیا ہے' وہ ٹی بی کا مریض ہو یا آپ خود کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوں جسے ڈاکٹر حکیم اچھوت کی بیماری کہتے ہیں۔ پھر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم میں سے ہر آدمی کو یہ پتھر چُومنے کی جس راہ پر لگا دیا ہے' اس کا مطلب کیا ہے؟ جواب میرے ذہن پر وارد ہوا کہ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ اچھوت کی بیماری کی قسم کی کوئی چیز نہیں۔ ڈاکٹر حکیم جو چاہیں کہتے رہیں۔ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر فعل پُر از حکمت و دانش ہوتا ہے۔ تمام عبادات انسان کی صحت اور تندرستی کی ضامن ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عبادت ایسی بھی رکھ دی گئی ہو جس میں بیماری پھیل سکتی ہو۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اچھوت کی کسی بیماری کا کوئی وجود نہیں ------ اور' شاید اسی لیے حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مومن کے جُوٹھے میں شفا فرمائی ہے۔

مدہوشی' "سواد" اور فتوے

ہاں تو' ہم نے اس حجرِ شفا کو بار بار چوما۔ ہم کعبۃُ اللہ کے گرد گھومتے رہے' ہر بار اُس پتھر کو چومتے رہے' جس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لب مبارک بھی لگتے رہے تھے۔ پھر میں اُس وقت ہوش میں آیا۔ ہوش ہی میں آیا ہوں گا' یا کسی اور عالم میں پہنچ گیا ہوں گا' جب مجھے اماں جی نے فرمایا کہ سات چکر تو پورے ہو چکے ہیں۔ اگر سات چکر پورے نہ ہوئے ہوں یا چکر سات سے زیادہ ہو گئے ہوں تو ہو سکتا ہے' یہاں بھی کوئی فتویٰ لگ سکتا ہو' مگر میں تو "سواد" لے رہا تھا اور خانۂ کعبہ کے گرد گھومتے ہوئے "سواد" لے رہا تھا۔ چونکہ اس عبادت میں مجھے "سواد" آ رہا تھا اس لیے فتووں سے قطع نظر' مجھے یقین ہے کہ ثواب بھی مجھ سے کتّی نہ کترائے گا۔

درِ کعبہ سے لپٹنا

اب ہم درِ کعبہ سے لپٹ گئے۔ یہاں ظاہر ہے کہ جگہ بہت کم ہے اور جو آدمی یہاں لپٹ جاتا ہے' وہ کچھ منوا ہی کے ہٹنا چاہتا ہے' اپنی سب خواہشیں رو رو کر بیان کر دینا چاہتا ہے' اور یہی حکم بھی ہے۔ لیکن رات کا سماں تھا۔ تہجّد کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ اُس وقت سب سے کم آدمی ہوتے ہیں اس لیے مجھے بھی اور امّاں جی اور خالہ جان کو بھی یہاں کھڑے ہونے کو جگہ مل گئی۔ یہاں کا منظر عجیب ہوتا ہے' ہر شخص کانپتا گڑگڑاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دکھائی اس وقت دیتا ہے جب وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھیے۔ جب خود وہاں کھڑے ہو جایئے' پھر کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ ہر آدمی خوفِ خدا سے موم ہوتا ہے' ہر شخص اپنی حاجتیں مانگتا ہے' ------ ہر فرد اپنے آپ کو اپنے مالک کی بارگاہ میں پاتا ہے' اور' ------ ظاہر ہے کہ تنہا ہوتا ہے' آس پاس بھیڑ ہوتی ہے لیکن کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اور' ------ بھیڑ ہو یا نہ ہو' تنہائی ہو تو آپ کہیں بھی اپنے مالکِ حقیقی سے بات کر سکتے

ہیں، گڑگڑا کر اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔ رو کر اپنی منوا سکتے ہیں۔ اور جب یہ منظر اللہ کے گھر کے دروازے پر ہو، اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔۔۔۔۔۔ خود خالق یہ دیکھ رہا ہو کہ دیکھوں، کون زیادہ عاجزی سے مانگتا ہے، کون اپنے گناہوں پر کتنا نادم نظر آتا ہے، کون کتنا گڑگڑاتا ہے، تو عجیب منظر ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھتا، کوئی یہ نہیں جانتا کہ دوسرا کیا کر رہا ہے، کتنی عاجزی، کتنی فروتنی سے مانگتا ہے اور کیا مانگتا ہے۔ لیکن ہر شخص دُنیا کے ہر شخص سے زیادہ عاجزی کی کیفیت میں نظر آنا چاہتا ہے۔

بندہ جو کئی صورتوں میں دنیا کے سامنے بڑا نظر آنے کی خواہش رکھتا ہے، اپنے ہم چشموں میں عزت و تکریم چاہتا ہے، کبھی کبھی فرعونیت سے ناتا جوڑتا دکھائی دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ جب یہاں حاضر ہوتا ہے تو اپنی اوقات پر آ جاتا ہے۔ کوئی دنیا کے لیے قابلِ عزت و اکرام بھی ہو، لوگوں کے سامنے اس کی گردن کو کلف لگی ہوئی نظر آتی ہو، دیکھنے والے اسے قائم اللیل اور صائم الدہر بھی سمجھتے ہوں، درِکعبہ سے لپٹتے ہوئے اُسے خُود شناسی کی وہ منزل حاصل ہو جاتی ہے جس میں وہ اپنی اصلیت پر آ جاتا ہے۔ لوگ اسے متقی بھی جانتے ہوں، یہاں اسے اپنے گناہ، اپنی خامیاں، کوتاہیاں یاد آ جاتی ہیں اور وہ اپنے خالق کے سامنے روتا گڑگڑاتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور، یہ عمرے کی ایک منزل ہے۔

اللہ کی نشانیاں

مقامِ ابراہیمؑ پر دو نفل پڑھنے کا مرحلہ آیا تو ہمیں وہاں قریب ہی جگہ مل گئی۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے، اور اللہ کی نشانیاں بس ایسی ہی ہوتی ہیں۔ کہیں حضرت ابراہیمؑ نے کوٹھا بنا دیا تو اللہ نے اسے اپنی سب سے بڑی نشانی قرار دے دیا، اس کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم فرما دیا۔ کہیں ایک کالا پتھر نصب ہو گیا اور اسے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چُوم لیا تو ہمارے لیے بھی اسے چُومنا ضروری ہو گیا۔ اور جو شخص اسے چومنے کی سعادت حاصل نہ کر سکے، اس کے لیے ضروری ہُوا کہ وہ دور سے

اسے سلام کرے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حجرِ اسود کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ میں تو اس لیے تیری عزت اور احترام کرتا ہوں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے چوما ہے ورنہ تو کیا تھا، محض ایک پتھر تھا۔

ایک خاتون اپنے کمسن بلکہ نومولود بچّے کی پیاس کو برداشت نہ کر سکی اور اُس کے لیے پانی کی تلاش میں دو پہاڑیوں کے درمیان بھاگتی رہی تو اللہ نے ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر اللہ قرار دے دیا اور اللہ کی ان نشانیوں کے درمیان سات چکر نہ لگائیں تو بات نہیں بنتی اور جہاں وہ عظیم ماں دوڑی تھیں، وہاں نہ دوڑیں تو نہ حج ہوتا ہے نہ عمرہ۔ پھر آبِ زمزم بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جو ایک نبیؑ کے پاؤں کی رگڑ سے چشمے کی صورت میں پھُوٹا تھا اور اب ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکلتا ہے اور اسے پینے اور خوب پینے کی ہدایت ہے۔ وہاں تو زائرین خوب پیتے ہیں، پیتے ہی جاتے ہیں، پیتے ہی رہتے ہیں۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے زائرین ساتھ بھی لے جاتے ہیں۔ اپنے عزیزوں، دوستوں، محلّہ داروں، ملنے والوں کو دیتے ہیں۔ اگر کم ہو جائے تو اس میں عام پانی ملا لیتے ہیں۔ اور اس طرح، یہ فیض دنیا بھر میں جاری ہے، دنیا بھر کے مسلمانوں تک کسی نہ کسی صورت میں پہنچتا ہے۔

پتھّروں کے سینے پر نشانات کی بہار

مقامِ ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کی الوہی ہدایت قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ یہ مقامِ ابراہیمؑ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ ایک پتھر پر ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کے جدِّ اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان ثبت ہیں۔ استنبول (ترکی) کے عجائب گھر میں وہ پتھر محفوظ ہے جس پر حضور فخرِ موجودات علیہ السلام و الصلوٰۃ کے قدم مبارک کا نقش ہے۔ اس متبرک و مقدس پتھر کی تصویریں پاکستان میں بھی ملتی ہیں۔ نہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور نہ ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے انوکھی بات ہے کہ ان کے قدم مبارک کے نقش، پتھر نے اپنے سخت سینے کو موم کر کے اس

پر سجا ہے۔ لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس نقوشِ پا پتھر پر بہت گہرے نہیں ہیں۔ وہ نازک پاؤں پتھر کے دل میں گھر تو کیے ہوئے لگتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وزن نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے کوئی پوچھتا کہ غارِ ثور کی طرف جاتے ہوئے جب انھوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اٹھا لیا تھا اور اسی طرح پہاڑ کی چڑھائی پر چلتے ہوئے غار تک پہنچے تھے تو انھوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وزن محسوس کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ استنبول کے عجائب خانے میں موجود پتھر کی طرح انھوں نے بھی وزن محسوس نہیں کیا ہو گا۔ جس ہستی کا سایہ نہیں تھا' اس کا وزن کتنا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقوشِ پا جو خانۂ کعبہ کے قریب محفوظ ہیں' خاصے گہرے ہیں۔ یوں لگتا ہے پتھر پتھر نہ تھا' گیلی مٹی تھا اور اس نے اپنے سینے کو اتنا کھلا کر لیا تھا کہ صرف تلووں ہی کو نہیں' پورے قدموں کو چومتا رہا۔

سعیٔ مشکور

مقامِ ابراہیمؑ پر دو نفل پڑھ لیے تو ہم صفا کی طرف چل پڑے۔ صفا کی پہاڑی کی چوٹی پر تھوڑی سی اور چھوٹی سی پتھریلی چٹانیں موجود ہیں۔ باقی حصہ ہموار پتھروں کے فرش کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ وہاں کھڑے ہوئے' کعبۃُ اللہ کی طرف منہ کیا' سعی کی نیت کی۔ کعبۃُ اللہ کو سلیوٹ مارا اور دائیں طرف کے راستے پر اسی طرح چل پڑے' جیسے ہم سے پہلے بہت سے لوگ چلے جا رہے تھے۔ اماں جی کو پچھلے دو تین برسوں سے سانس کی تکلیف بھی ہو جاتی تھی اور کبھی کبھی دائیں ٹانگ میں درد ہونے لگتا تھا۔ اس لیے کچھ زیادہ پیدل چلنا ان کے لیے دوبھر ہوتا تھا۔ میں ڈرتا تھا' کہیں یہاں بھی تکلیف ہو گئی تو کیا ہو گا۔ مگر میں نے دیکھا' وہ ہم سے آگے آگے جا رہی تھیں' ان کے پیچھے خالہ جان اور پیچھے میں۔ ہمارے دائیں طرف کئی دروازے تھے جو عام طور پر بند ہی ملتے ہیں۔ محض تین چار

دروازے کھلے تھے جن میں زائرین باہر سے حرم میں داخل ہوتے تھے۔ بابِ بنی قریش پر پہنچے تو سبز ٹیوبوں کا نشان تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں سے مردوں کو تیز دوڑنا ہے۔ اسی حالت میں بابِ علیؓ سے گزرے اور بابِ العباسؓ کے پاس دوسری سبز ٹیوب تک اسی حالت میں جا کر پھر آہستہ ہونا تھا۔ میں والدہ صاحبہ اور خالہ جان کی معیت کے سبب تیز نہیں دوڑتا تھا۔ ہم مروہ تک پہنچے' پھر دوسری طرف یعنی کعبہ شریف کی طرف سے صفا کی طرف چل پڑے۔

ہوش اور بیہوشی کی کیفیت

مجھے کچھ یاد نہیں کہ ہم نے تہجد پڑھی تو عمرہ کہاں تھا' یہ یاد ہے کہ فجر کا وقت آیا تو ہم عمرے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب بھی یاد کرتا ہوں تو کچھ یاد نہیں آتا کہ کعبۃُ اللہ میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کے نفل پڑھے تھے یا نہیں۔ جہاں تک معلومات کا تعلق ہے' وہ تو میں احباب سے لے کر چلا تھا کہ کیا کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ میں اس کے مطابق عمل بھی کرتا رہا لیکن ہوش کی کیفیت بس کچھ ایسی ہی تھی۔ پتا نہیں' ہوش کی اس کیفیت میں کون کون سی عبادت قبول ہوتی ہے اور اس کا کتنا ثواب ملتا ہے لیکن اتنا جانتا ہوں کہ مدہوشی کی سی کیفیت میں بھی جو جو کچھ ہوتا رہا' اس میں مزہ ضرور آتا رہا۔

سر منڈوانے کا عمل

چوتھی مرتبہ مروہ پہنچے تو سعی ختم ہو گئی۔ دعا کی اور قینچی بدست بچوں سے اماں جی اور خالہ جان کے بالوں کی لٹ کٹوائی۔ میں باہر نکلا کہ سر پر اُسترا پھروا لوں۔ سامنے سڑک کے پار دکانیں تھیں مگر مجھے ایک سیاہ فام نے اشاروں کی زبان میں پوچھا کہ کیا واقعی میرا

مقصود یہی تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ میں نے اس سے "ٹنڈ کرانے" کی اُجرت پوچھی' اس نے پانچ ریال کہے' میں نے دو بتائے۔ شاید تین ریال میں سودا ٹُچکا۔ میں اس کے پیچھے چلا' اس خیال سے کہ ادھر کوئی دکان ہو گی۔ وہ چڑھائی پر تیز تیز چل رہا تھا' اس کے پیچھے چلتے چلتے میرا سانس پھول گیا۔ میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا' مجھے کوئی دکان دکھائی نہیں دیتی تھی۔ میں اس سے ہاتھوں کی زبان میں پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے لیکن میرا اس تک پہنچنا مشکل تھا۔ بہرحال وہ ایک جگہ رُکا' اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک کپڑا نکالا' فٹ پاتھ پر بچھایا' اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُسترے میں بلیڈ لگایا' میرے سر پر کچھ صابن نما چیز تھوپی اور ایک ڈیڑھ منٹ میں مجھے چھیل کر رکھ دیا۔ میں نے اسے پانچ ریال کا نوٹ دیا تو وہ اسے جیب میں ڈال کر یہ جا' وہ جا۔ میں وہیں کھڑا حیرت زدہ سوچتا رہا کہ سر منڈواتے ہی صرف اولے ہی نہیں پڑتے' یہ کچھ بھی ہوتا ہے۔

ایک دن یا تین دن

ہم تین دن مکّہ مکرمہ میں رہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ہم ایک دن یہاں ٹھہریں گے' عمرہ ادا کریں گے اور مدینۂ طیبہ کو چل دیں گے کہ

اصل مراد حاضری اُس پاک در کی ہے

لیکن مکہ پاک پہنچتے ہی حرمِ کعبہ میں داخل ہونے سے یہ خیال میرے دماغ میں نہ صرف داخل ہوا' بلکہ راسخ ہو گیا کہ جس شہرِ مقدّس میں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی حیاتِ ظاہری کے ۵۳ سال گزارے' میں نے وہاں سے اس بے توجہی سے گزرنے کی بات کیوں سوچی۔ چنانچہ ہم دس نومبر کو لاہور سے چلے اور ۱۲ نومبر کو مکہ سے چلے۔ میں لاہور سے جو معلومات لے کے چلا تھا' وہ ایک عمرے کے متعلق تھیں اور ان تین دنوں میں اماں جی اور خالہ جان نے چار اور میں نے پانچ عمرے کیے۔ میں نے سر کے بال تو ایک

عمرے کے حساب سے حاصل کی گئی معلومات کے مطابق منڈوا لیے۔ اب بعد کے ہر عمرے کے بعد بھی اُصول کے مطابق تو مجھے سر پر اُسترا چلوانا تھا مگر مجھے پتا ہی نہیں تھا۔ میں یہ سمجھا کہ اب تو سر پر بال نام کی چیز رہی ہی نہیں' اب کیا ہے۔

ٹنڈ کروانے میں تقدیم و تاخیر

لاہور واپس پہنچا تو پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری نے بتایا کہ اگر آدمی پہلے عمرے پر ٹنڈ کروا لے تو بعد کے ہر عمرے کے اختتام پر پھر اُسترا چلوانا ضروری ہے' چاہے سر چھلتا رہے' ورنہ عمرہ مکمل نہیں ہوتا۔ اب لگے یہ تو معلوم نہیں کہ میرا بعد کا کوئی عمرہ ہوا ہے یا نہیں لیکن میں مسجد تنعیم میں جا کر غسل کے بعد احرام اور دو نفل ادا کرتا رہا' واپس آ کر سارے ارکان پورے کرتا رہا۔ بس "ٹنڈ" ہی کروانے میں مار کھائی۔ لیکن یہ بات تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ثواب کے حالات تو شاید مخدوش ہی ہوں' مزا میں لیتا رہا۔ اب میں اپنے سفر کے بارے میں کچھ لکھنے لگا ہوں تو یہ ممکن نہیں کہ جھوٹ لکھ دوں۔ اور چونکہ ادیب وڈیب بھی بس ایسا ہی ہوں اس لیے الفاظ کے گورکھ دھندے میں بھی کسی واقعے کو نہیں چھپا سکتا اور فتووں سے بھی نہیں ڈرتا' اس لیے سچ لکھ بھی رہا ہوں۔ ہاں' یہ ضرور ہوا کہ دوسری بار دوستوں کے ساتھ گیا تو پہلے عمروں کے اختتام پر بالوں کی لٹیں کٹواتا رہا' آخری عمرے پر سر کو اُسترے کے آگے جھکا دیا۔

عربی میں بات چیت

ہمارا پہلا عمرہ چونکہ رات بارہ بجے کے بعد شروع ہوا تھا' اس لیے شمسی کیلنڈر کے حساب سے بھی اور قمری کیلنڈر تو چونکہ شام ہی سے نیا دن طلوع کر دیتا ہے' اس کے حوالے سے بھی یہ گیارہ تاریخ تھی۔ ہم سات بجے کے بعد قیام گاہ پر پہنچے۔ فوراً ناشتا کیا اور

سو گئے۔ ظہر کی نماز پر پھر ہم حرم کعبہ میں تھے۔ نماز کے بعد دوسرے عمرے کی تیاری کے لیے مسجد تنعیم (جسے مسجد عائشہؓ یا مسجد عمرہ بھی کہا جاتا ہے) کو چلے تو ایک ٹیکسی لی۔ ٹیکسی والے صاحب مکہ کے رہنے والے تھے' نام یحییٰ عبداللہ تھا۔ ہم نے جتنے عمرے کیے' ان کے لیے انہی کی ٹیکسی میں مسجد عائشہؓ گئے۔ راستے میں اُن سے باتیں بھی ہوتی تھیں' وہ مکہ مکرمہ کی جن سڑکوں سے گزرتے تھے' ان کے متعلق معلومات بھی فراہم کرتے تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ آسان عربی بولنے کی کوشش کرتے' ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے اور جو کسر رہ جاتی' وہ ہاتھوں کی جنبش سے نکالتے۔ میں بھی کوئی لفظ قرآن پاک سے ڈھونڈتا' کوئی لفظ پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری سے سنا ہوا یاد کرتا اور کچھ چیزیں سید سجاد رضوی کے بیروت کے سنائے ہوئے واقعات اور لطیفوں سے چنتا' پھر خدا تعالیٰ نے ہاتھ بھی دے رکھے تھے چنانچہ دونوں طرف سے خوب ابلاغ ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ صرف حرم پاک سے مسجد عائشہؓ کی طرف جاتے ہوئے' واپسی پر تو تلبیہ سے ہم غافل نہ ہوتے تھے۔

یحییٰ عبداللہ زندہ باد

میں نے ایک مرتبہ مدینہ کی کوئی بات کی تو صرف "مدینہ" کہا۔ یحییٰ عبداللہ نے مجھے ٹوکا۔ کہا' مدینہ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ یحییٰ عبداللہ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والا گروہ قرار دیا اور مجھے دعائیں دیں۔ مجھے اب بھی کبھی کبھی یحییٰ عبداللہ کی یاد آتی ہے اور یہ واقعہ میری تخیل دہراتی ہے تو میں رو پڑتا ہوں۔ انہوں نے مجھے ادب سکھایا' مجھے مدینۂ طیبہ کا نام لینے کا طریقہ بتایا تھا۔ اللہ انہیں خوش رکھے۔

کون سا شہر

ہم نے گیارہ' بارہ' تیرہ نومبر کی نمازیں اور چودہ نومبر کی فجر کی نماز حرم کعبہ میں پڑھی۔ ایک بار امام نے "لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ" کی تلاوت کی تو میری چشم تصوّر نے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا پایا۔ اب تو خیر وہ گلیاں' وہ بازار' وہ کنکر' وہ پتھر' محفوظ نہیں رہے۔ لیکن اللہ کریم کے یہ الفاظ محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ خالق و مالک نے اس شہر کی قسم کھائی جس میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے پھرتے تھے۔ پھر مدینۂ طیبہ میں بھی امام نے ایک بار یہ سورہ تلاوت کی تو اس کی ہمہ گیری کا احساس پھر شدید ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں شہر کا نام لے کر قسم نہیں کھائی بلکہ قسم کی وجہ بیان کی ہے چنانچہ جب تک میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے' یہ قسم مکہ کی تھی' جب آپ مدینۂ پاک میں آ گئے' یہ قسم یہاں کی ہو گئی۔

عبادت میں ثواب یا "سواد"

باجماعت نمازیں تو میں نے زندگی میں کم ہی پڑھی ہوں گی۔ جتنی بھی پڑھی ہیں' اُن میں غور کرتا ہوں کہ امام کیا پڑھ رہا ہے'۔ اگر اس کا ترجمہ ذہن میں ہو تو وہ ذہن میں رکھتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ الفاظ میری طرف سے بھی ادا ہو رہے ہیں۔ خود نماز پڑھتا ہوں تو سرور زیادہ آتا ہے۔ پہلے' نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ' اور دوسری صورت میں اَلَمْ نَشْرَحْ یا سورۂ کوثر پڑھتا تھا۔ پھر پتا چلا کہ قرآنِ مجید کی ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہیے تو میں نے پہلی رکعت میں ان دو سورتوں میں سے کوئی ایک' اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھنا شروع کر دی۔ اَلَمْ نَشْرَحْ میں "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" پڑھتے ہوئے یہ احساس شدید ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو ان کے لیے بلندی بخشی' ———— وَرَفَعْنَا' اور ہم نے بلندی عطا کی۔ 'لَکَ' آپ کی خاطر۔ ذِکْرَکَ' آپ کے ذکر کو'۔۔۔۔۔۔ اپنے احساس کو اپنے وجود پر یوں نافذ کرتا

ہوں کہ یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ اپنے ذکر میں مشغول و مستغرق رکھیں اور اس عمل میں مقصود محض آپ کی خوشنودی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو۔

میری نمازوں کا کیا ہو گا؟

اسی طرح سورۂ کوثر پڑھتے ہوئے یہ درخواست بھی تمنا کی صورت میرے دل میں ہوتی ہے کہ آقا حضورا (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کو اللہ کریم جلّ و علا نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اب جو دوست یہ کہتے ہیں کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے' وہ میری اس طرح کی نماز کو پتا نہیں 'کیا کہیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہے' لکھنے لگا ہوں تو لکھوں گا سچ ہی۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے' میں نے زندگی میں کم ہی نمازیں پڑھی ہیں۔ جو پڑھی ہیں' ان کا نتیجہ اللہ ہی جانتا ہے' کیا ہو گا۔ لیکن میں امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام لیوا ہونے کے باوجود' درمیانی قعدے میں درود پاک ضرور پڑھتا ہوں اور آخری قعدے میں بھی درود پاک حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی تقلید میں فرض سمجھتا ہوں' سُنّت نہیں۔ پتا نہیں' میری حنفیت کا بھی کیا ہو گا۔ چونکہ نماز میں پڑھے جانے والے تمام لفظوں کے معانی پر غور کرتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ پڑھتا ہوں کہ میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں اس لیے خاص طور پر جب سے مدینۂ طیبہ سے ہو آیا ہوں' "السّلام علیک ایّھا النّبی و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ" کے الفاظ کبھی اس طرح نہیں پڑھتا کہ اپنے آپ کو قدمین کی چوتھی صف میں حاضر نہ پاؤں اور دل کی آنکھوں کو دائیں طرف نہ گھماؤں جضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کی رحمت سے کبھی کبھی چشمِ تصور سے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس سلام کا جواب محسوس کرتا ہوں۔ آپ اسے نماز نہیں گردانتے تو نہ سہی۔

سلام اور جوابِ سلام

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن مجھے سلام کرتا ہے' میں اس کا جواب عطا فرماتا ہوں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہُوا تو سلام عرض کیا۔ جتنی دیر وہاں رہتا' سلام عرض کرتا اور کبھی کبھی محسوس کرتا کہ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے سلام کا جواب عنایت فرما رہے ہیں۔ ایک بار اصحابِ صُفّہ کے چبوترے پر بیٹھ کر سوچا کہ یہاں اس نیّت سے ایک قرآنِ پاک پڑھ لوں کہ اللہ کریم حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل میرے علم میں اضافہ فرمائے۔ اڑھائی سیپارے تو اُسی قرآن پاک پر پڑھ لیے جو عرب میں پڑھا جاتا ہے۔ پہلی دو سورتوں کی بہت سے آیتیں تو قریباً یاد ہی ہوتی ہیں۔ بعد میں کہیں کہیں املا کی وجہ سے دِقّت ہوتی ہے یا کم از کم وقت زیادہ لگتا ہے۔ چنانچہ بعد میں' میں نے برِّصغیر پاک و ہند میں پڑھی جانے والی املا کا قرآن لے لیا۔ پانچ سیپارے پڑھے ہوں گے کہ ذہن میں خیال آیا کہ قرآنِ مجید تو پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے' یہاں اگر میں قدمین میں بیٹھ کر آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سلام عرض کروں اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے کہ وہ سلام پیش کرنے والے کا جواب خود بنفسِ نفیس اُسی وقت عطا فرماتے ہیں' یوں میں جتنی دیر اس کیفیت میں رہوں کہ میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام' رحمت اور برکت پیش کروں اور آپ جواب میں مجھے یہ فرما رہے ہوں کہ تم پر سلام ہو' تم پر رحمت ہو اور تم پر برکت ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے چنانچہ میں پھر قدمین میں آ بیٹھا اور سلام عرض کرنے لگا۔ اور' دونوں مرتبہ وہاں حاضری کے دوران میں زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں مشغول رہا۔

تسبیحیں اور کھجوریں

جو آدمی مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے' واپسی پر اپنے ملنے والوں کے لیے تسبیحیں' ٹوپیاں اور کھجوریں لاتا ہے' مکہ مکرمہ سے آبِ زمزم بہت بڑا تحفہ ہوتا ہے۔ میں نے دونوں مرتبہ تسبیحیں اور ٹوپیاں وہاں پہنچتے ہی خرید لیں اور ہر بار تسبیح اور ٹوپی بدل بدل کر حاضر ہوتا رہا اور جو ٹوپی پاکستان میں آ کر کسی کو دی' وہ صرف نسبت کے حوالے سے مدینہ طیبہ سے خریدی ہوئی نہیں دی بلکہ ایسی تھی کہ اس کے ساتھ مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ایک یا ایک سے زیادہ نمازیں پڑھی تھیں اور وہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کے فرش سے یا فرش پر بچھے ہوئے قالین سے مس ہوئی تھی۔ اسی طرح ہر تسبیح کے ہر دانے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدمین میں بیٹھ کر کوئی اور درود پاک بھی پڑھا' اور کم از کم ایک مرتبہ "الصلوٰۃ والسلام علیک ایھا النبی ورحمۃُ اللہ وبرکاتہٗ" ضرور پڑھا اور پاکستان آ کر جس دوست کو بھی تسبیح دی' ایسی ہی دی۔

ہاتھ اور نگاہیں

میں ایک عرصے تک گن کر درود پاک پڑھنے سے کتراتا رہا' اور ظاہر ہے کہ مقصود گنتی نہ ہو تو تسبیح کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ تسبیح کے متعلق ایک بزرگ نے لطیفہ سنایا تھا کہ چرواہے کا بیٹا جانوروں کو لے کر بہت سویرے جنگل کی طرف چلا جاتا تھا اور رات گئے واپس آتا تھا۔ ایک دن وہ واپس آیا تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ آج اسے ایک چیز ملی ہے اور اپنی چادر کی کئی تہیں کھولیں اور ایک تسبیح نکال کر دکھائی۔ والد نے پوچھا' کہاں سے ملی ہے؟ اس نے کہا' جنگل سے۔ والد نے کہا ابھی وہاں جاؤ اور جہاں سے یہ ملی ہے' وہیں پھینک آؤ۔ کیونکہ میں نے یہ چیز جس کے ہاتھ میں دیکھی ہے' اسے مانگتا ہوا پایا ہے' ہاتھ پھیلائے دیکھا ہے۔ بات یہ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہ بھکاری بھی تسبیح لیے پھرتے ہیں' مولوی اور پیر اسے ہاتھ میں رکھتے ہیں تو الا ماشاء اللہ ان کی نگاہیں بھی مقتدیوں اور مریدوں کی جیبوں ہی پر ہوتی ہیں۔

حلقۂ درودِ پاک

پھر ہم نے حلقۂ درودِ پاک شروع کیا تو کبھی گھر میں' کبھی کسی دوست کے ہاں' کبھی مسجد میں' کبھی دفتر میں مل بیٹھ کر بھی یہ اچھا کام ہونے لگا۔ ہم گھر کے سب افراد مل کر جمعہ کے دن عصر کے بعد' اور پیر کو عشا کے بعد بالالتزام درودِ پاک پڑھنے لگے۔ میرے ابا جان راجا غلام محمد علیہ الرحمہ پیر ۲۶ مئی ۱۹۸۸ء' ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ کو واصل بحق ہوئے تو پیر کے درودِ پاک میں ان کے ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام ہونے لگا۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں والدہ صاحبہ کی سربراہی میں میرا پہلا سفر سلسلۂ زیارتِ حرمین شریفین ہوا' اور قریباً نو ماہ بعد ۱۹ اگست ۱۹۹۰ء اتوار کو والدہ نور فاطمہ علیہا الرحمہ انتقال فرما گئیں۔ ۱۸ اگست (ہفتہ) کی رات کو ہم نے مل بیٹھ کر درودِ پاک پڑھا تھا۔ ہمارا وتیرہ بن گیا ہے کہ کوئی خوشی ہو تو' اور کوئی پریشانی آ جائے تب' ہم سب اہلِ خانہ مل بیٹھ کر درودِ پاک پڑھتے ہیں۔ ۱۸ اگست کو میرے ہاں ٹیلی فون لگا تو ہم سب نے مل کر حلقۂ درودِ پاک قائم کر لیا اور صبحِ صادق کے وقت والدہ صاحبہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والدہ مرحومہ

بیمار نہیں تھیں۔ خون کی قے کی اور بس' میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔ میں نے ایسی موت پہلی بار دیکھی کہ انھوں نے ہچکی تک نہیں لی۔ حوصلے کے ساتھ خود قے کی۔ اس احتیاط کے پیشِ نظر کہ قے کی وجہ سے کانوں کے راستے ہوا نہ داخل ہو جائے' خود ہی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ میں آواز سن کر جاگا' قریب گیا تو انھوں نے پھر قے کی۔ میں نے لائٹ آن کی اور انھیں تھام لیا۔ ان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تحیّر کے آثار ابھرے' ٹانگیں سیدھی کر دیں اور گردن ڈال دی۔ میرا بیٹا اظہر محمود اس دوران میں دوڑ کر گیا

کھولنے لگا تھا کہ ڈاکٹر کو لائے۔ مگر ہماری چیخ پکار سُن کر واپس آ گیا۔ میرا ایمان ہے کہ انھوں نے جو جانکنی کے مرحلے کے بغیر ہی اپنی جان جان آفریں کے حوالے کی اور ہم سے کوئی خدمت کرائے بغیر چلی گئیں' اس کا باعث درودِ پاک کی کثرت اور اُن کی یہ دُعا تھی کہ یا اللہ' مجھے محتاج نہ کرنا' چلتی پھرتی بُلا لینا۔ عمرہ کر کے آئیں تو سارا دن اور رات کا بیشتر حصہ عبادت اور درُود خوانی میں گزارتی تھیں۔ اگر ان کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرتا تو اُٹھ جاتیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے لَو لگا رکھی تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ پاک کرتی اور سنتی رہتی تھیں۔

دریُوزہ گری کا تسلسُل

میرے بچوں نے کہا' ہم نے اماں جان کے ساتھ مل بیٹھ کر آخری بار ہفتہ کی رات درودِ پاک پڑھا تھا' اس لیے اماں جی کو ایصالِ ثواب کے لیے ہر ہفتے کی رات بھی درودِ پاک پڑھا کریں گے۔ چنانچہ اگست ۱۹۹۰ء سے یہ سلسلہ بھی' الحمدللہ' باقاعدگی سے جاری ہے۔ ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو میرے ہاں عصر کے بعد درودِ پاک کی محفل ہوتی ہے اور مجھے اباجی نے خواب میں اشارہ دیا تھا کہ میں میلادِ پاک پر بکرے کی قربانی کروں' چنانچہ اس اہتمام کی توفیق بھی ملتی ہے۔ والدہ صاحبہ حیات تھیں کہ گھر میں طے ہوا کہ میلاد شریف کے دن سے پہلے گن کر سوا لاکھ بار درودِ پاک پڑھا جائے۔ اس طرح یہ سلسلہ بھی قائم ہو گیا۔ پھر اباجی کو ایصالِ ثواب کے لیے ۲۹ رمضان اور ۲۱ مئی کی دونوں تاریخوں اور اماں جی کو ایصالِ ثواب کے لیے ان کی وفات کے دونوں دنوں (۲۷ محرم الحرام اور ۱۹ اگست) کو بھی درودِ پاک کا اہتمام ہونے لگا۔ اس طرح تسبیحیں زیادہ اور قریباً ہر بار استعمال ہونے لگیں۔ آج کل اللہ کے فضل و کرم اور حضور رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی رحمت سے' کوئی نہ کوئی درودِ پاک کسی خاص تعداد میں پڑھنے کی نیت سے ہر روز گھر میں یہ کام ہوتا ہے---------

اور وہ جو تسبیح کے ساتھ مانگنے کا لطیفہ تھا' وہ "حقیقۃ" ہو گیا ہے کہ ہم تسبیح ہاتھ میں لے کر ہر

روز درود شریف پڑھتے ہیں اور معبودِ حقیقی خالق و مالک جل وعلا سے ہر روز مانگتے ہیں۔ اب مانگنا شعار ہی کر لیا ہے اور اس کے لیے کریم مالک کا گھر دیکھ لیا ہے تو پھر تسبیح چھوڑنا کیا اور کیوں۔

میری یادداشت

میں سکول کی قریباً ہر جماعت میں اوّل آتا تھا لیکن انگریزی اور حساب میں دو لڑکے مجھ سے ہمیشہ زیادہ نمبر لے جاتے تھے۔ یوں' حساب کے معاملے میں کبھی بااعتماد نہیں رہا۔ اپنی عملی زندگی میں بھی مجھے حساب کتاب سے کچھ شغف نہیں' اسی لیے اگر کسی یار دوست سے پیسے لینے پڑ جائیں تو اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مجھے یاد دلائے ورنہ میں بھول سکتا ہوں اور خود کسی کو رقم دے کر بھول جاتا ہوں۔ مگر اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ آپ میری اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی سعی کریں۔ اور سفرِ محبت کی ان یادداشتوں کے مطالعے سے کوئی دُنیوی فائدہ اُٹھانا چاہیں۔

اکاؤنٹنٹ

انیسؔ' انسٹر' نوای' اناسی کو میں آج تک نہیں سمجھ سکا اور اچھے بھلے ہندسے اردو میں پڑھتے پڑھتے اس نسل کے ہندسوں کو انگریزی میں ادا کرتا ہوں۔ مگر تسبیح پر درودِ پاک گنتا آ گیا ہے۔ میں ۱۹۵۲ء میں پاکستان ائرفورس پبلک سکول' سرگودھا میں ملازم ہوا۔ یہ میری پہلی ملازمت تھی۔ وہاں انگریز استاد تھے۔ مسٹر جی سٹاٹ ڈپٹی ہیڈ ماسٹر تھے۔ خاصے خوش ذوق واقع ہوئے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ انھیں اردو بولنے کا بڑا شوق ہے۔ جب سکول کی بلڈنگ بن رہی تھی' کمہار گدھوں پر مٹی لاد کر لاتے تھے' جی سٹاٹ نے گدھے والے سے کہا' اب تک کتنا پھیرا لگایا؟ اس نے سات سو بتائے۔ پوچھا' سات سو گن سکتا ہے؟

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر سوال کیا' سات ہزار گن سکتا ہے؟ اس نے ہاں کہا تو کہنے لگے' پر تم ہمارے دفتر میں اکاؤنٹنٹ کیوں نہیں ہو جاتا؟

گنتی کی عادت

اس منطق سے تو یوں سمجھیے کہ میں تسبیح کے بل پر اکاؤنٹنٹ سا ہو گیا ہوں۔ گننے کی یہ جو "عادت" پڑی ہے' اس کے تحت میں نے اپنے پہلے سفر کے دوران میں ایک دن خانۂ کعبہ کے چاروں طرف بنے ہوئے ستونوں پر لکھے ہوئے نام پڑھنے شروع کیے۔ چھوٹے ستون تو بہت سے ہیں' ہر ستون پر "اللہ" لکھا ہے۔ دو ستونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی' چھ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا' چھ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا' پانچ پر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا اور دو پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کا اسم گرامی لکھا ہوا پایا۔

پیٹی یا چادر کا پلّو

میں نے پہلی بار تین دن کے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں پانچ عمرے کیے' والدہ صاحبہ اور خالہ جان نے چار۔ میں احرام کے لیے چار چادریں لے گیا تھا۔ گرمی کی وجہ سے ہر روز صبح جائے قیام پر پہنچ کر ہم خود ہی چند منٹوں میں ایک احرام دھو دیتے تھے اور حرم پاک کو جاتے ہوئے میں دوسرا احرام باندھ لیتا تھا۔ مجھے فیاض حسین چشتی نے اپنی پیٹی دینا چاہی تاکہ میں احرام باندھ کر اپنے کاغذات پاسپورٹ اور رقم پیٹی میں سنبھال لوں لیکن ان کی پتلی کمر یا پر پوری آنے والی پیٹی میرے کام نہ آئی۔ اور میں نے اپنے دیہاتی پن سے پُورا پُورا فائدہ اٹھایا۔ تمام کاغذات وغیرہ کمر کے ساتھ لپٹی ہوئی چادر کے پلو میں باندھ لیتا' اور دونوں مرتبہ یہ انتظام معقول معلوم ہوا۔ پہلی بار میں مدینۂ طیبہ کے لیے دو صدریاں بھی سلوا کے لے گیا تھا لیکن عملاً انہوں نے کچھ سہولت بہم نہ پہنچائی۔ سہولت ان معنوں میں تو

تھی کہ صدری میں بنی ہوئی یہ بڑی بڑی جیبیں بہت بہتر اپنے اندر حفاظت سے سمیٹ جتی تھیں لیکن گرمی کے موسم میں نیچے صدری' اوپر قمیص ------- میرے لیے کچھ ناقابلِ برداشت سی ہو گئیں اور میں نے قمیص کی جیبوں ہی میں سب کچھ رکھ لیا' اور کام چل گیا۔

احتیاطوں کا حال

ہم یہاں مسجد اور عبادت کے حوالے سے کئی احتیاطیں پیش نظر رکھتے ہیں اور ادب آداب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مکہ و مدینہ کے حرمین میں ایسی صورتیں کچھ تو کم نظر آئیں' کچھ احتیاط ممکن بھی نہیں۔ یہاں ہم کعبۃُ اللہ کی طرف پاؤں نہیں کرتے' وہاں عرب نما لوگ ٹوپ پہنے عین کعبہ کی طرف ٹانگیں پھیلائے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں ہم قرآنِ پاک کی طرف پُشت نہیں کرتے' وہاں جگہ جگہ قرآنِ پاک سیکڑوں کی تعداد میں پڑے ہوتے ہیں' اس احترام کا اہتمام ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں ہم نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہیں گزرتے' وہاں ہر جگہ کوئی نہ کوئی آدمی نماز پڑھ ہی رہا ہوتا ہے اور آپ کو گزرنا بھی ہوتا ہے' یہاں عام طور پر جُوتا مسجد میں لے لیے پھرنے کا رواج نہیں' وہاں ایسے منظر بھی نظر آتے ہیں۔ اگرچہ جوتا رکھنے کے لیے ہر دروازے کے باہر بھی اور اندر بھی جگہ جگہ ریک بنے ہوئے ہیں لیکن بعض لوگ یوں جوتے اٹھائے پھرتے ہیں کہ قرآنِ مجید نیچے پڑے ہوتے ہیں' جوتے اونچے سفر کر رہے ہوتے ہیں۔

جُوتوں کا احوال

بعض زائرین واپس وطن آ کر یہ شکایت کرتے دیکھے گئے ہیں کہ حرم کعبہ اور حرم نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں جوتے گُم ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلی دوسری بار وہاں جانے والا وہ دروازہ ہی بھول جاتا ہے جہاں وہ جوتا چھوڑ آیا تھا'

اور عام طور پر یوں اسے جوتا نہیں ملتا۔ پھر وہاں عام طور پر ہوائی چپل استعمال ہوتی ہیں اور لوگ اپنا جوتا تلاش کرنے کی زحمت اٹھانے کے بجائے کوئی بھی جوتا پہن کر چلے جاتے ہیں۔ پھر مثلاً آپ نے حرم کعبہ کے باب عبدالعزیز کے قریب جوتا رکھ دیا تھا اور آپ اُدھر بابُ السلام کے قریب ہیں اور وہاں سے آپ کو وضو کرنے جانا ہے تو آپ بابُ اسلام ہی میں پڑی ہوئی کسی چپل کو وقتی طور پر استعمال کر لیں گے اور وضو کے بعد پھر وہیں چھوڑ آئیں گے لیکن بعض صورتوں میں جس خانے سے آپ نے جوتا لیا تھا' اس کے بجائے کسی اور خانے میں یا ویسے ہی زمین پر چھوڑ دیں گے۔ اس صورت میں اس چپل کے مالک کو اُس خانے میں کچھ نہیں ملے گا جس خانے میں وہ چپل کو چھوڑ کر گیا تھا۔ بہرحال یہ بات کسی لحاظ سے درست نہیں کہ وہاں جوتے گم ہو جاتے ہیں۔ ہاں' حرم پاک میں اگر رش زیادہ ہو تو آدمی ضرور گم ہو جاتے ہیں۔

جو چاہتے ہیں' کرتے ہیں

حرمین میں عام طور سے کوئی کسی کو نہیں پوچھتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ میں نے ایک بار طواف کے دوران میں دیکھا کہ ایک شخص جُوتا بغل میں دابے طواف میں مشغول تھا۔ ایک افریقی ملتزم کے قریب سجدے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لے رہا تھا۔ ایک اور آدمی کو میں نے دیکھا کہ سجدے میں اونچی آواز میں درود پاک پڑھ رہا تھا۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا' حطیم کے کونے میں بیٹھی کعبے کو بغیر آنکھ جھپکے دیکھے جا رہی تھی' کھوئی ہوئی تھی۔ پتا نہیں' جوان تھی یا بوڑھی۔ حرمین میں یہ فرق آدمی عام طور پر نہیں کر سکتا۔ اصل میں اس نقطۂ نظر سے کوئی دیکھتا ہی نہیں' معلوم کیا ہو۔ میں پہلے سفر میں تیسرے دن چوتھا عمرہ کر رہا تھا کہ طواف کے دوران میں ایک آدمی نے میرا دایاں ہاتھ چوما اور اپنے ماتھے پر لگا کر نکلتا چلا گیا۔

ممنوع اوقات میں نماز

دونوں مقدس مقامات پر' عام طور سے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ ممنوع اوقات میں بھی نماز میں مشغول ہیں اور کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس امر کا اہتمام کیا ہو کہ اب سُورج طلوع ہو رہا ہو گا' یا سورج اپنے جوبن پر ہو گا' اس وقت نماز نہ پڑھوں۔ زائرین میں سے کئی حضرات عصر کی نماز کے بعد بھی نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ حاجی محمد یعقوب اُپّل نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک صاحب سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بے توجّہی سے کہا' یہ ہیڈ کوارٹر ہے' یہاں سب چلتا ہے۔ اس سلسلے میں دوسری بار میرے ساتھ یہ لطیفہ ہوا کہ میں نے اس یقین کے باوجود کہ میرے دونوں دوست مجھ سے زیادہ نمازی ہیں اور مجھ سے زیادہ محتاط بھی' اور جانتے ہیں کہ عصر کے بعد شام تک کوئی نماز نہیں ہوتی -------- احتیاطاً انہیں یاد دلا دیا۔ لیکن ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین میں ایک صاحب میرے قریب آئے اور مجھے کہنے لگے کہ عصر کی نماز کے بعد نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ میں نے کہا' ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ وہ مجھے ایسا کیوں کہہ رہے ہیں' جبکہ میں نے تو اپنے دوستوں کو یہ مسئلہ یاد دلایا تھا۔ وہ صاحب میری آنکھوں میں استعجاب کی لہروں کو محسوس کر کے فرمانے لگے کہ کل عصر کے بعد آپ نماز پڑھتے رہے تھے۔

میں سمجھ گیا کہ حضرت بھول گئے ہیں' کسی اور کے دھوکے میں مجھ سے مخاطب ہیں۔ لیکن اُن کا شکریہ ادا کیا کہ بہرحال اچھی بات بتا رہے تھے۔ وہ میرے پاس سے ہٹ گئے تو رفیق احمد خاں اور فیاض حسین چشتی نے مجھے بتایا کہ واقعی میں کل عصر کے بعد نماز پڑھنے لگا تھا تو انہی صاحب نے مجھے روکنا چاہا مگر فیاض صاحب نے میری کیفیت محسوس کر کے انہیں روک دیا کہ جو کرتا ہے' کرنے دیں -------- مجھے اپنے ساتھیوں پر کوئی شک نہیں تھا کہ وہ مجھے پہچان نہ سکے ہوں گے اس لیے مان گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے آج تک یاد نہیں کہ میں نے ایسا کیا تھا ------ اب یہ ہوش کی باتیں تو نہیں ہیں اور اس

میں بھی کوئی شک نہیں کہ معاملہ بے ہوشی کا بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کیفیت کیا تھی' اس میں پڑھی گئی نماز یا کی گئی کسی بھی عبادت کا کیا ہُوا ہو گا۔ یہ آپ حساب لگایئے' اگر عبادت کو ناپ تول کے پیمانے سے ناپتے ہیں اور' لگا دیجیے کوئی فتویٰ!

ثواب کا حساب کتاب

مدینۃُ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حرم میں خواتین اور مرد الگ الگ ہوتے ہیں۔ خواتین کے لیے صبح شام کچھ وقت مقرر کر دیا جاتا ہے جس میں وہ ریاض الجنۃ' قدمین شریفین اور اصحاب صُفّہ کے چبوترے کی طرف آ سکتی ہیں' مواجہ شریف کی طرف ان کی حاضری شاید ممنوع ہے۔ پہلے سفرِ سعادت میں ایک دن مَیں قدمین میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان وہاں آیا۔ ہو گا کوئی سترہ اٹھارہ برس کا۔ اس کا کوئی سرپرست ساتھ نہیں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ خاص طور پر قدمین میں آیا ہے۔ اس نے کہا' نہیں۔ جہاں جگہ ملے' نماز پڑھ لیتا ہوں' اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے والد یہاں ملازم ہیں اور ان کے پاس آیا ہوا ہے۔

اس نے جواباً مجھ سے پوچھا کہ میں یہاں چالیس نمازیں پوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے جواب دیا' نہیں۔ تو اس نے کہا' ہاں' دیکھیے نا' حرم کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ہے اور یہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کا ہے۔ پتا نہیں' لوگ یہاں آ کر کیوں اتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں نے نوجوان سے کہا کہ بھائی' تم مجھے حساب کتاب میں پھنسا رہے ہو' میں تو مزا لینے کے لیے یہاں بیٹھا ہوں اور یہاں چونکہ زیادہ مزا آتا ہے' اس لیے یہاں زیادہ بیٹھتا ہوں۔ باقی رہی یہ بات کہ میں نے یہاں چالیس نمازیں پوری کرنے کے ارادے سے انکار کیا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یہاں پچاس نمازیں پوری کرنا چاہتا ہوں' دس دن یہاں رہوں گا' آٹھ دن نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ زیادہ جمع تفریق جانتے ہیں' وہ ثواب کے حساب کتاب میں شاید مدینۂ منوّرہ (علی صاحبہا

الصلوۃ والسلام) جاتے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اور میں تو آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں حساب کتاب میں شروع ہی سے کمزور ہوں۔

اتنا حساب مجھے البتہ یاد ہے کہ ۱۹۸۹ء میں سعودی ریال چھ روپے کا تھا' ۱۹۹۱ء میں بازار میں سات روپے کا تھا۔ اکاؤنٹنٹ ہونے کے حوالے سے مجھے یہ بھی یاد ہے کہ پہلے سفر میں مکہ مکرمہ سے مدینۂ منورہ تک کے لیے ٹیکسی کا کرایہ فی کس ہم نے بس کے کرائے سے کم ادا کیا تھا۔ مجھے لاہور میں بتایا گیا تھا کہ اگر جدّہ مدینہ اور واپسی کا اندراج بھی ٹکٹ میں کرا لیا جائے تو مزید پیسے نہیں لگتے۔ لیکن میرے ذوق نے جواب دیا کہ ہوائی سفر کے ذریعے مدینۂ منوّرہ نہیں جانا چاہیے' کہیں بے ادبی کی کوئی گنجائش نہ نکل آئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے چنانچہ دوسری مرتبہ ہم ہوائی جہاز ہی کے ذریعے مدینۂ طیبہ گئے اور وہاں سے جدّہ آئے۔

مدینۂ طیّبہ کا پہلا سفر

مدینۂ طیّبہ تک کے سڑک کے سفر میں یہ پریشانی ساتھ سفر کرتی رہی کہ کہیں کسی وجہ سے ظہر کی نماز کے وقت تک مدینہ منورہ نہ پہنچ سکے تو کیا ہو گا۔ وہاں جا کر یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی نماز حرم کعبہ یا حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بجائے کہیں اور پڑھی جائے۔ چنانچہ نمازِ فجر کے بعد سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ ہمارے ایک ملنے والے ہمیں اڈے تک چھوڑنے گئے' وہ مدت سے سعودی عرب میں ہیں اور عربی بول سکتے ہیں۔ انہوں نے ٹیکسی والے سے چالیس ریال فی کس میں کرایہ چکا دیا اور ٹیکسی والے صاحب کو اور مجھے الگ زبانوں میں بتا دیا کہ ہوٹل فاروق خوقیر کے سامنے تک ٹیکسی لے جائے تو ہم دس ریال مزید ادا کریں۔ سنا ہے' بس کا کرایہ پچاس ریال تھا۔ معلوم ہوا کہ اب مکہ پاک سے مدینہ پاک تک کے لیے جو سڑک بنائی گئی ہے یہ قریبا طریق الہجرہ ہے یعنی قریباً اسی راستے سے سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے موقع پر مدینۂ طیّبہ تشریف لے گئے تھے۔

چشمِ تصوّر کی تلاش

سڑک دو رویہ ہے اور بہت ہی اچھی ہے' بین الاقوامی معیار کی۔ ایک سو بیس' ایک سو چالیس سے کم سپیڈ پر کوئی نہیں چلاتا۔ راستے میں ایک پٹرول پمپ پر ایک دکان سے ہم نے کچھ مزید مشروبات لے لیے اور راستے بھر درود پاک کا ورد کرتے اس شہر میں جا پہنچے' جہاں جانا ہر مسلمان کی دلی آرزو ہوتی ہے۔ جوں جوں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر قریب ہوتا جاتا تھا' دل سینے کے قفس میں کسی نوگرفتار کی طرح تڑپ پھڑکتا محسوس ہوتا۔ کھلی دو رویہ سڑک پر چلتے ہوئے ذہن میں یہ حقیقت چاندنی بکھیرتی رہی کہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان راہوں سے اُس وقت گزرے جب یہاں کوئی راہ نہیں تھی۔ میں تلاش کرتا رہا کہ کون سی جگہ ہو گی جہاں سو اونٹوں کے لالچ میں سُراقہ بن مالک جعشمی کائنات کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی نیت سے اُن کا پیچھا کرتا ہوا اُن تک آن پہنچا اور قریب پہنچتے پر گھوڑے سمیت دھنس گیا تھا۔ پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی کہ زمین کی گرفت سے رہائی مل جائے تو واپس لوٹ جائے گا۔ رہائی ملی تو پھر نیت میں فتور آیا' پھر پکڑا گیا۔ پھر درخواست کی' پھر رہائی ملی تو واپس لوٹنے سے پہلے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان نامہ چاہا۔ بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اور بعض کہتے ہیں' حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے حکم سے امان نامہ لکھ دیا۔ سراقہ ایمان نہیں لائے لیکن آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

سُراقہ فتحِ مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا فرمودہ فرمانِ امن دکھا کر حاضر ہوئے اور ایمان لائے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران فتح ہوا تو کسریٰ کے کنگن حضرت سراقہؓ کو پہنا دیے گئے۔ اس واقعے کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُراقہ کو فرمانِ امن اور کسریٰ کے کنگنوں کی خوشخبری کہاں دی تھی تو میں اس جگہ کو اپنے شعور کی جھولی میں بھر لوں۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ کی یاد آئی تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ یاد آئے۔ روشنی کے ان سیاہ فام میناروں نے ایمان و یقین کی کیا کیا روشنیاں نہیں بکھیریں۔ محبت و عقیدت کے ان مجسموں نے احترام و محبتِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیسے کیسے روشن نمونے زمانے کے چہرے پر ثبت اور نقش نہیں کر دیے۔

غارِ ثور تک رسائی سے محرومی

عامرؓ بن فہیرہ کی یاد آئی تو مجھے غارِ ثور کا خیال آیا۔ پہلی مرتبہ تو والدہ اور خالہ کی معیت کی وجہ سے غارِ ثور کیا غارِ حرا تک بھی جانا ممکن نہیں تھا۔ دوسری مرتبہ البتہ نیت ضرور تھی لیکن میرے ساتھیوں نے مجھے مکہ کے عمروں میں بھگا بھگا کر کچھ ادھر اُدھر کے بازاروں میں چیزوں کی قیمتیں پوچھ پوچھ کر' کچھ ہسپتالوں کے چکر لگوا لگوا کر میرے پاؤں زخمی کرا دیے۔ کچھ دو سال میں بڑھاپا بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ کچھ ان دو برسوں میں پیدل چلنے کی مشق بھی جاری نہیں رہی تھی چنانچہ ہم اس مرتبہ غارِ حرا تک تو گئے غارِ ثور تک نہ جا سکے۔ اُس پہاڑ تک پہنچ گئے لیکن حوصلہ نہ پڑا۔ دو صاحب اوپر سے نیچے آ رہے تھے' ان سے بات ہوئی' ان میں سے ایک صاحب تو غارِ ثور میں نفل پڑھنے کی سعادت سے مشرف ہو کر آ رہے تھے' دوسرے صاحب راستے ہی سے مُڑ آئے تھے۔ ہم نے راستے کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو غار ثور سے ہو آنے والے صاحب نے کہا' صاحب وہ دیکھیے' ایک خاتون بچہ اٹھائے اوپر چلی جا رہی ہے' راستے کی صعوبتوں کا کیا ہے' حوصلہ چاہیے۔

عامرؓ بن فہیرہ کا مرتبہ

جی تو چاہتا تھا کہ اس مقدس جگہ کی زیارت کریں جہاں میرے آقا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور ان کے دوست حضرت صدیقِ اکبر تین دن ٹھہرے رہے، جہاں حضرت عامر بن فہیرہؓ رات کو بکریاں چراتے چراتے جا پہنچتے تھے اور ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ پھر حضرت عامرؓ مدینہ تک کے سفر میں بھی ساتھ رہے۔ حضرت عامرؓ کی یاد نے اُن کی شہادت کے ایمان افروز واقعے کی یاد دلا دی ۔ یہ واحد مثال ہے کہ شہادت کے بعد کسی شخص کی لاش آسمان کی طرف اٹھالی گئی ہو۔ بُخاری شریف میں یہ واقعہ درج ہے کہ لوگوں نے حضرت عامرؓ کی نعش کو آسمان کی طرف جاتے اور بعد میں نیچے آتے ہوئے دیکھا۔ "اُسُدالغابہ" میں ہے کہ بعد میں لاشوں میں سے ان کی لاش دستیاب بھی نہیں ہوئی تھی۔ جبّار بن سلمی نے انھیں شہید کیا تھا۔ آخری وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِن حبشی النسل غلام، ہمارے صاحبؓ کے منہ سے نکلا "میں نے مراد پالی"۔ یہ فقرہ قاتل کو کھا گیا۔ وہ بعد میں مسلمان ہوئے تو کہا کہ مجھے حضرت عامرؓ کے اس فقرے سے اسلام کی عظمت معلوم ہوئی۔ حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ نے مدینۂ منوّرہ میں تشریف رکھتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کو اس شہادت کی اطلاع دی اور فرمایا، عامرؓ نے شہادت کے وقت دُعا کی ہے کہ میرے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دی جائے کہ ہم اللہ سے اور اللہ ہم سے راضی ہوگیا ہے۔

چشم تصوّر سے دیکھتا ہوں تو غارِ حرا میں حضرت ابوبکر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اضطراب دکھائی دیتا ہے، شوقِ زیارتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سانپ کا انھیں ڈسنا نظر آتا ہے، کبوتروں کا جوڑا ہوتا ہے، حضرت عامرؓ ہوتے ہیں۔

آیندہ حاضری کے لیے گزارش

ہم تینوں دوست غارِ ثور تک نہ جاسکے لیکن اللہ تعالیٰ کے دربار اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں مسلسل گزارش کرتے رہے کہ یہ خواہش پوری نہیں ہوئی اس لیے آیندہ بھی حاضری کی اجازت عطا ہو، تاکہ یہ کسک مستقل نوعیت نہ اختیار کر جائے۔

قانونِ قدرت میں ترمیم

غارِ ثور کے ذکر میں کافروں کے وہاں پہنچ جانے کے موقع پر مکڑی کا غار کے منہ پر جالا تن دینا اور کبوتری کا انڈے دینا ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے فطرت کے خلاف کروایا۔ خاص طور پر کبوتری کا انڈے دینا ایسا ہے کہ جو لوگ کبوتر پالتے ہیں، جانتے ہیں کہ کبوتری ایک دن چھوڑ کر انڈا دیتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قانون بنانے اور چلانے والے کے لیے قانون میں کوئی ترمیم کر دینا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ جس خدا نے کبوتری کی تخلیق میں یہ سسٹم رکھا ہے، وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاطر اس سسٹم میں کوئی تبدیلی تو کر ہی سکتا ہے اور اُس نے کر دی۔ کبوتری کا انڈے دینا اللہ کریم کی خاص منصوبہ بندی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کبوتر انڈے اٹھا کر تو نہیں لائے ہوں گے۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبوتروں کے اُس جوڑے کو خانۂ کعبہ پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حرمِ مکہ کے کبوتر اسی نسل سے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار ہونے سے اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے اور محض طبعی موت مریں گے۔

لیکن آپ میری اس تحریر سے یہ گمان نہ کریں کہ میں نے کبوتر پال رکھے ہیں یا کبھی اس شغل میں بھی مصروف رہا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ درود پاک سے محبت کرنے والے حاجی ذوالفقار عظیم اور میرے بچوں کے ماموں تاج دین یہ حرکت کرتے ہیں۔ میرے دوست ذوالفقار عظیم نے مجھے بتایا اور میرے سالار جنگ تاج دین نے تصدیق کی۔

قانونِ قدرت میں خالق و مالکِ حقیقی جلّ و علا جس نے یہ قانون بنایا، اس میں جب چاہے، ترمیم کر دیتا ہے۔ مالک جو ٹھہرا۔ اور، اس نے اپنے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے کئی بار اپنے قوانین میں ترمیم کر دی۔ ہمارے پیارے ملک پاکستان میں بھی بہت سے ماہرینِ امراضِ چشم ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ اگر آنکھ نکل کر باہر آجائے تو جُڑ سکتی ہے لیکن میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت قتادہؓ

کی آنکھ جوڑ دی تھی۔ کبھی کسی نے سُنا ہے کہ پتھر یا جانور بھی آدمیوں کی طرح گفتگو کرتے ہوں لیکن میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پتھر اور جانور باتیں کرتے تھے۔ کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ درخت سجدہ کرتے ہوں لیکن بُحیرا راہب نے دیکھا تھا کہ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن میں درخت انہیں سجدہ کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہُوا ہے کہ انسان کے ہاتھوں سے پانی پھوٹ بہے مگر صحابۂ کرامؓ دیکھا کرتے تھے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابل پڑتا تھا۔

سفرِ مدینہ کی انتہا

سفرِ مدینہ کے ضمن میں کئی باتیں ذہن و احساس پر پرَفشاں رہیں۔ جوں جوں شہرِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب آ رہا تھا' مجھے کبھی تو یہ خیال آتا کہ پتا نہیں' آقا و مولا علیہ والصلوٰۃ والثنا کس راستے سے گزرے ہوں گے' سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے کون صحابیؓ کہاں ملا ہو گا' مدینۂ طیّبہ کے لوگ کہاں تک پیشوائی کو ہر روز آتے تھے' پھر انہوں نے کس جگہ پہلی بار زیارت کی ہو گی۔ بنُو نجّار کی بچیوں نے خیر مقدمی گیت کہاں الاپا ہو گا۔ کبھی مجھے یہ خیال آتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۴۳۲ برسوں سے جس شہر میں قیام فرما ہیں' اج توفیقِ خداوندی اور رحمتِ پیغمبری سے ایک پُر معاصی شخص کو اس کی ماں اور خالہ کے طفیل وہاں حاضری نصیب ہو رہی ہے' وہ گناہگار کیا کرے' مدینۂ طیّبہ میں کیسے چلے پھرے گا' وہ کوچۂ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کس طرح نظریں اٹھا سکے گا' اسے مسجدِ نبویؐ میں داخلے کے وقت کن آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

حاضری کا تصوُّر

لاہور میں نعت لکھتے یا پڑھتے وقت' آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ پاک

سُنتے یا کرتے ہوئے' سیرتِ پاک کی کوئی کتاب پڑھتے ہوئے یا اس موضوع پر کچھ لکھتے ہوئے' ماہنامہ "نعت" کے لیے مضمون یا اداریہ لکھتے ہوئے' پرچہ مرتب کرتے' لکھواتے یا چھپواتے وقت -------- میں سوچتا تھا کہ جب مجھے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہرِ پاک میں' اپنے درِ پاک پر حاضری کی اجازت مرحمت فرمائیں گے تو میرا کیا حال ہو گا' میں کس کیفیت میں وہاں پیش ہُوں گا' بلکہ کس منہ سے پیش ہوں گا' مدینہ شریف کیسا ہو گا' وہاں زمین پر جوتوں کے ساتھ قدم رکھ سکوں گا یا نہیں۔ جس گنبدِ اخضر کو لاہور میں دیکھ دیکھ کر روح رقص کرتی ہے' وہاں سامنے پاؤں گا تو دماغ کہاں ہو گا' دل کا کیا ہو گا' روح کتنی سرشار ہو گی۔

گنبدِ اَخضر کا نظارہ

اہلِ محبت وہاں جانے کس کیفیت میں حاضری دیتے ہوں گے' خاکِ طیبہ کی عظمت اُن کے عمل میں کیا رنگ لاتی ہو گی؛ جیسی ایک بار موڑ مڑ گئی تو سامنے گنبدِ اخضر تھا۔ زبان پر تو راستے بھر درودِ پاک جاری رہا تھا' شاید اب آنکھیں بھی درودِ پاک کی کثرت کرنے لگی تھیں۔ آنکھیں باوضو تو کافی دیر سے تھیں' اب غسل بھی کرنے لگیں -------- اور' مجھے اپنا قصور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ مبارک کی زیارت کرنا یاد آ گیا۔ دل سے دعا بھی نکلی کہ یا اللہ! یہاں مجھے دس دن رہنا ہے' میری آنکھوں کو ان دس دنوں کی ہر ساعت میں باوضو رکھنا لیکن سحابِ اشک اتنی دُھند نہ برسائیں کہ میں زیارت کے مزے نہ لے سکوں۔

حرمِ نبویؐ کی طرف

اتنے میں ٹیکسی ایک اور موڑ مڑ کر جنت البقیع کے قریب کھڑی ہوئی۔ ہماری گردنیں روضۂ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مڑی ہوئی تھیں۔ ٹیکسی والے نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے اسے فاروق خوتیر ہوٹل چلنے کو کہا۔ وہ تھوڑی دُور گیا' ایک آدھ موڑ کاٹا اور ہمیں ہماری مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔ ہم نے اپنی جائے قیام پر پہنچتے ہی غسل کیا اور حرم پاک کی طرف چل پڑے۔ وہ جو ذہن میں یہ خیال تھا کہ جوتوں سمیت مقدس سرزمین پر کیسے قدم رکھیں گے' وہ بھی دل میں نہیں رہا تھا۔ وہ جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے خیال سے اپنی پُر از معصیت زندگی کے حوالے سے شرم بھی آتی تھی اور خوف بھی محسوس ہوتا تھا' اس کا بھی کوئی اثر باقی نہ رہا تھا۔ بس ایک شوق تھا' ایک کشش تھی' اور ہم کشاں کشاں حرمِ پاک کی طرف چلے جا رہے تھے۔

گنبدِ انور

سامنے سڑک پر آئے جو شاید شارعِ ابی ذر غفاریؓ ہے۔ اور یہ عجیب لطیفہ نکلا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے نام سے موسوم اور منسوب سڑک پر بیشتر دکانیں سونے کی ہیں۔ سڑک پر آئے تو گنبدِ انور سامنے تھا۔ اللہ اللہ' گنبدِ انور کی تابانیاں نگاہوں کو خیرہ کرتی ہوئی دکھائی دیں۔ بعد میں قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حرم کعبہ اور حرم نبویؐ کے دروازوں پر دن میں ایک سے زیادہ مرتبہ صفائی اور بار بار پالش کا اہتمام کرنے والوں نے گنبدِ اخضر پر پڑنے والی گرد کو صاف کرنے کی طرف ذرا توجہ نہیں دی۔ ایک اور بے توجہی یہ نظر آئی کہ رات کو گنبد شریف پر روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ گنبدِ پاک کے ساتھ جو مینارِ نور ہے' اس میں سے کچھ روشنی چھن کر گنبدِ اخضر کے ایک پہلو پر پڑتی ہے' صرف۔

پہلی مرتبہ گئے تو ہمیں سڑک پر سامنے آتے ہی گنبدِ اخضر نظر آنے لگا تھا' پچھلے سال گئے تو توسیع کے نام پر مسجدِ نبویؐ کے اُس حصے پر جو اس طرف کی آبادی اور بازار کے قریب ہے' دوسری منزل تعمیر کیے جانے کے انتظامات نظر آئے۔ یہاں دوسری منزل کی تعمیر کا ایک ہی معنی ہوگا کہ اس طرف کے بازار اور آبادی کے رہنے والے اُس وقت تک گنبدِ اخضر کی زیارت نہیں کر سکیں گے' جب تک جنتُ البقیع کے سامنے کی سڑک پر نہ آ جائیں۔ اگر قریب کے دروازوں سے حرم شریف میں داخل ہوں گے تو گنبدِ پاک کی زیارت سے محروم ہی رہ جائیں گے' تا آں کہ باب النسا اور بابِ جبریلؑ کی طرف نہ جا نکلیں۔

حاضری کے دو نفل

مجھے اپنا سڑک پر آنا اور گنبدِ اخضر پر نگاہ پڑنا اور نگاہ کا وہیں جم جانا تو اچھی طرح یاد ہے۔ بعد کے واقعات اس وقت کچھ واضح نہیں تھے۔ بعد میں اماں جی سے باتیں ہوئیں تو یاد آیا کہ میں نے اپنی ہمراہی بزرگ خواتین کو خواتین کے داخلے کے دروازے میں چھوڑا اور عصر کی نماز کے بعد انھیں آ جانے کی گزارش کی اور خود بابِ عبدُالمجید جسے عُرفِ عام میں بابِ مجیدی کہا جاتا ہے' سے مسجدِ نبویؐ میں داخل ہو گیا۔ پھر ہوش مجھے اس وقت آیا جب میں اصحابِ صُفّہ کی چبوترے سے ذرا آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر مبارک کی دیوار کے قریب موجود ایک صف کی جگہ پر دو نفل پڑھ چکا تھا اور تسنیم الدین احمد کا ذکر کر رہا تھا۔

ورودِ مدینہ

کعبۃُ اللہ کے گرد' حطیم کے اندر' ملتزم کے سامنے' رُکنِ یمانی کے قریب' مقامِ ابراہیمؑ کے پیچھے اور کئی نمازوں کے بعد مجھے کئی بار اپنے بچے یاد آئے' بیوی یاد آئی' چچا جان

یاد آئے' دوست احباب یاد آئے' میں اُن کے لیے دعائیں مانگتا رہا۔ اُن کی طرف سے نفل پڑھتا رہا' اُن کی طرف سے طواف کرتا رہا لیکن تسنیم الدین احمد مجھے یاد ہی نہیں آئے۔ حالانکہ انھوں نے جو درودِ مدینہ لکھا تھا' اس میں محبت کی کسک تھی' پیار کے انداز تھے۔ انھوں نے اُردو میں یہ درودِ پاک لکھا' پروفیسر ضیاءؒ المصطفیٰ نے اسے عربی لباس پہنا دیا۔ تسنیم الدین احمد نے مجھے کہا کہ میں مدینۂ طیبہ لے جاؤں' اپنے اور اُن کے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دوں۔ اور پھر واپسی پر وہ اس کی اشاعت کریں گے۔

میں ٹھہرا' پرلے درجے کا بھلکڑ۔ پھر پہلی بار دیارِ خدا و رسولِ خدا (جلّ شانہٗ' وصلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضری کے شوق میں جہاں اور بہت کچھ فراموش کیے رہا' درودِ مدینہ بھی ساتھ لے جانا بھول گیا۔ مکہ معظمہ میں نہ درودِ مدینہ یاد آیا نہ تسنیم الدین احمد۔ مدینہ پہنچ کر ہوش آیا تو مجھے تسنیم کے علاوہ کچھ یاد نہیں تھا۔ اپنی طرف سے دو نفل پڑھ چکا تھا۔ ذہن میں کچھ خیال نہیں آیا کہ بارگاہِ نبویؐ میں اِس وقت کس مقام پر ہوں۔ بعد میں جب پوری طرح ہوش آیا اور میں نے اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسجدِ نبویؐ کے سب سے اہم مقام پر تھا اور خدا تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں کے سامنے حاضر تھا۔

میں نے فوراً دو نفل تسنیم الدین احمد کی طرف سے پڑھے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گزارش کی کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں' میں ہوں بھلکڑ آدمی۔ حد یہ ہے کہ درودِ مدینہ لانا بھول گیا ہوں۔ مگر آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ تسنیم نے یہ ہدیہ کس انداز میں لکھا تھا اور کس کیفیت میں وہ میری وساطت سے آپ کے دربارِ گہربار میں حاضر کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اگر آپ اس درودِ مدینہ کو جو میں لانا بھول گیا ہوں' منظوری اور قبولیت کی سند عطا فرمائیں تو تسنیم کی محبت کو منزل مل جائے اور میری بھول کی معافی ہو جائے۔

درودِ مدینہ کی قبولیت

میں ۱۳ نومبر ۱۹۸۹ء کو ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے یہ گزارش کر رہا تھا۔ جماعت ہو چکی تھی۔ ہم بعد میں پہنچے تھے لیکن نمازِ ظہر ہمیں ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ پہلی نماز بھی میں نے قدمین شریفین ہی میں پڑھی۔--------- ۱۴ نومبر کو میں مدینہ میں درودِ مدینہ کے سلسلے میں اپنی کوتاہی کی معافی مانگ رہا تھا' اور ۱۵ نومبر کی صبح کو تسنیم الدین احمد میرے غریب خانے پر گئے' میرے بیٹے اظہر محمود سے کہا کہ شاید راجا صاحب نے درودِ مدینہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے' کیونکہ رات مجھے اس کی قبولیت کی بشارت مل گئی ہے۔

والدہ صاحبہ کی علالت

مدینۂ منورہ میں اماں جی نے پانچ نمازیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجد میں خود چل کر ادا کیں۔ اسی لگن' اسی تیز رفتاری' اسی مستعدی سے جس طرح وہ حرمِ کعبہ میں تین دن طواف' سعی اور دوسری عبادات کرتی رہیں' لیکن فجر کی نماز کے بعد قیام گاہ کی طرف جاتے ہوئے ان کا سانس پھولنے لگا۔ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو میں قریب ہی ایک کیمسٹ کی دکان پر گیا۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹری نسخے کے بغیر دوا نہیں ملے گی۔ میں انہیں جنت البقیع کے سامنے واقع ہسپتال میں لے گیا۔ یہ جگہ قیام گاہ سے زیادہ دُور نہیں تھی لیکن والدہ صاحبہ کے لیے پیدل اتنی دور جانا بھی مشکل تھا۔ اس لیے میں نے بابُ السلام سے باہر واقع دفتر میں جا کر اپنا پاسپورٹ جمع کروایا اور وہاں سے وہیل چیئر حاصل کر لی۔ اسی پر اماں جی کو ہسپتال لے گیا لیکن وہاں کی لفٹ بھی خراب تھی یا بند تھی کہ وہیل چیئر نیچے چھوڑ کر اماں جی کو سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانا پڑا جو بہت پریشان کُن ثابت ہوا مگر مجبوری تھی۔

ڈاکٹر تو انہیں لاہور ہی کی کوئی مل گئی لیکن دوا سے افاقہ نہیں ہوا۔ اب میرا یہ وتیرہ ہو گیا کہ میں ہر نماز کے بعد یا کبھی کبھی دو دو نمازوں کے لیے اماں جی کو وہیل چیئر پر لے جاتا تھا۔ وہیل چیئر بابُ النسا کے ساتھ کے دروازے کے باہر چھوڑ دیتا تھا جہاں سے خواتین حرم میں داخل ہوتی تھیں۔ جی تو چاہتا تھا کہ کبھی کبھی قدمین سے اٹھ کر باہر آؤں

اور دیکھ لوں کہ وہیل چیئر کوئی لے تو نہیں گیا مگر قدمین سے اٹھنا اتنا آسان کب ہوتا ہے۔ یہ بھی تو دیکھیں کہ مجھ ایسے گناہگار کو قدمین میں جگہ مل جائے تو اٹھنے کو جی کیوں چاہے گا۔

کبھی اجازت' کبھی پابندی

حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توسیع ہو رہی تھی اور جنت البقیع کا علاقہ شروع ہونے سے پہلے جو گیٹ تھا' میں اس میں سے والدہ صاحبہ کو وہیل چیئر پر اور خالہ جان کو پیدل لے جاتا تھا اور اس طرح ہم اُس دروازے تک جا پہنچتے تھے جس کا نام میں اب بھول گیا ہوں' شاید کسی سعودی شاہ کے نام پر ہے اور بابُ النسا کے سامنے کھڑے ہوں تو اس کے دائیں طرف ہے اور مستورات وہیں سے حرم میں داخل ہوتی تھیں۔ دوسری طرف باب مجیدی کی طرف سے آتیں تو بھی حرم شریف کی پرانی دیوار کے ساتھ چل کر اسی دروازے تک آتیں' اور یہیں سے مسجد میں داخل ہوتی تھیں۔ ہم دو دن میں کئی بار اسی راستے سے آئے لیکن ایک بار دروازے پر پڑی ہوئی بڑی سی کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک مطوعے نے روک دیا کہ یہ راستہ مردوں کا ہے' یہاں سے خواتین نہیں جا سکتیں۔ اب اگر دو دن انہوں نے نہیں روکا اور دو بزرگ خواتین' جن میں سے ایک بیمار بھی تھی' وہاں سے گزرتی رہیں تو وہ بھی ٹھیک تھا۔ اب انہوں نے روک دیا تو بس روک دیا۔ ان سے بحث کا ویسے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا' اور اگر عربی بھی زیادہ نہ آتی ہو تو پھر تو مزید نامعقولیت ہے۔

شُرطہ اور شُرطی

اس دروازے پر بھی' اور اندر کے دروازوں پر بھی اور قدمین شریفین اور مواجہۂ شریفہ کی طرف بھی شُرطہ ڈیوٹی پر ہوتی ہے لیکن عام طور پر شُرطی کسی کو نہیں ٹوکتے' وہاں موجود مطوعے ہی لوگوں کو روکتے ٹوکتے اور تبلیغ فرماتے نظر آتے ہیں۔ پاکستان کے لوگ

شُرطہ پولیس کے سپاہی کو کہتے ہیں۔ فیاض حسین چشتی تو یہ بھی نہیں کہتے' شُرطہ جی کہتے ہیں' اور ان کا ایسا کہنا اچھا لگتا ہے۔ اصل میں شرطہ کا معنی پولیس ہے اور شرطی کا مطلب پولیس کانسٹیبل یا پولیس افسر ہے۔

دیدِ گنبدِ اخضر کی ایک کیفیت

جس دروازے سے ہمیں روکا گیا تھا' ہم نے اس طرف سے آنے کے بجائے آئندہ کے لیے جنۃُ البقیع کے سامنے والی سڑک سے آنا شعار کر لیا تو اور مزا آیا۔ جوں ہی ہم شارعِ ابی ذر غفاریؓ سے دائیں طرف حرمِ پاک کے راستے کی طرف مڑتے' گنبدِ اخضر سامنے نظر آنا شروع ہو جاتا' ہماری سپیڈ کم ہو جاتی۔ پہلے بھی سپیڈ ویڈ تو کوئی نہیں ہوتی تھی' مقصد یہ ہے کہ میں پاؤں یوں اٹھاتا کہ یہ فاصلہ زیادہ دیر میں طے ہو اور گنبدِ انور سامنے نظر آتا رہے تو زیادہ اچھا ہو۔ ہم درودِ پاک پڑھتے ہوئے آتے' حرم پاک میں بھی یہ وظیفہ جاری رکھتے' واپسی پر بھی یہ وظیفہ اسی طرح جاری رہتا۔ الحمدُ للہ۔

مکّہ مکرّمہ کی زیارتیں

میں دو مرتبہ حاضری کے مجموعی تیس دنوں میں کچھ نہیں دیکھ سکا۔ پہلی بار مکہ مکرمہ میں زیارتوں کے ارادے سے وہاں قیام کے آخری دن جانا تھا۔ میں نے یحییٰ عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہمیں اپنی ٹیکسی پر لے جائیں مگر انہوں نے جو وقت ہمیں دیا تھا' اس پر نہیں آئے۔ وہ ایسے تو نہیں معلوم ہوتے تھے کہ وعدہ خلافی کر بیٹھیں' کوئی مجبوری آن پڑی ہو گی۔ ہم نے سڑک پر قریباً ایک گھنٹہ تو اُن کا انتظار کیا لیکن وہ نہ آئے تو مجبوراً ایک ٹیکسی لے لی۔ وہ بھی عرب تھے لیکن ان کی رفتارِ گفتگو مکّہ سے مدینہ الحبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) جانے والی سڑک پر چلنے والی کاروں سے کچھ تیز ہی تھی۔ اس لیے پورے سفر کے دوران

میں ان کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ہمیں ان مقامات پر بھی لے گئے جہاں حج کے ارکان ادا ہوتے ہیں' مسجدِ نمرہ اور دوسری مسجدوں تک بھی لے گئے۔ مسجدِ قبا میں تو اس لیے یاد ہے کہ وہاں ہم نے عمرہ کرنا تھا۔ مسجدِ قبلتین' مسجدِ غمامہ اور دوسری کئی جگہوں پر بھی لے گئے لیکن وہ شاید ان پیسوں میں' جو انہوں نے خود مانگے تھے' اور کم نہیں مانگے تھے' زیادہ وقت نہیں صرف کرنا چاہتے تھے۔ دور ہی سے ہمیں دکھا دیا کہ یہ جبلِ نور ہے اور اس پر غارِ حرا ہے' وہ جبلِ ثور ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ یہاں نماز نہیں پڑھنا ہے' شرک ہو جائے گا۔

ایک تو ان کے شرک نے طبیعت بوجھل کر دی تھی' دوسرے اُن کی زبان کی سپیڈ نے مت مار رکھی تھی۔ بس یوں سمجھیے' زیارات میں مزا نہیں آیا۔ دوسری مرتبہ ہم گئے تو انجینئر نور محمد صاحب نے ہمیں اردو میں مقامات کی تاریخ بھی بتائی' محبت سے ہمارے سوالات کے تشفی بخش جواب بھی دیے۔ اور 'غارِ حرا تک کی زیارت کا باعث بنے۔ اماں جی اور خالہ جان کے ساتھ میں جبل الرحمہ پر گیا جہاں ہمارے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا تھا تو وہاں پر موجود ایک بنے سنورے اونٹ والے نے اونٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سمجھا کہ یہ ہمیں اونٹ پر اوپر تک لے جائے گا۔ میں نے اماں جی کی عمر' بزرگی اور بیماری کے خیال سے انہیں اونٹ پر بٹھا دیا۔ بیماری کے خیال سے اس لیے نہیں کہ وہ بیمار تھیں' بلکہ اس لیے کہ کہیں پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ان کا سانس نہ پھول جائے اور انہیں تکلیف شروع نہ ہو جائے۔ لیکن اونٹ والے صاحب نے ان دونوں خواتین کے اونٹ پر بیٹھتے ہی تھک سے تصویر لی اور بس۔ میں اب سمجھا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ بہرحال تصویر کے دس ریال بادلِ ناخواستہ ہی ادا کیے۔ ---------- مگر اب وہ تصویر ہم سب اہلِ خانہ کو اماں جی کی یاد بھی دلاتی ہے اور جبل الرحمہ کی سیر بھی کرا دیتی ہے۔ اللہ اس اونٹ والے کو خوش رکھے۔

دوسری مرتبہ میں جبلُ الرحمہ پر گیا تو نور محمد صاحب کے ساتھ میرے دونوں ساتھی تو اوپر گئے اور دو نفل ادا کر کے واپس آئے' میں زخمی پاؤں کی وجہ سے اس سعادت سے

محروم رہا۔ لیکن محرومی کا یہ احساس میرے لیے یوں پریشان کُن نہیں ہُوا' بلکہ ایسے سب معاملات میں پریشان کُن ہوتا ہی نہیں کہ میں اس محرومی کو آیندہ کی حاضری کی نیت اور حرمین میں اس آیندہ حاضری کی توفیق اور اجازت طلب کرنے والی دعا کا حصّہ بنا لیتا ہوں۔ پہلی بار غارِ حرا اور غارِ ثور تک نہیں گیا تھا۔ دعائیں کرتا رہا کہ میرے دو کام رہ گئے ہیں' ان کے لیے آیندہ بھی بُلا لیجے۔ دوسری بار گیا تو غارِ حرا تک پہنچ سکا' غارِ ثور تک حاضری نہیں ہو سکی۔ پھر دعا کر آیا ہوں' اور ان شاء اللہ ضرور حاضری کی اجازت اور توفیق ملے گی اور یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔

چشمۂ شفا اور ابواء شریف

دوسری بار ہم گئے تو نیت یہ بھی تھی کہ چشمۂ شفا پر بھی جائیں گے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدۂ محترمہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں بھی حاضری دیں گے۔ اور وہاں مانگی جانے والی آیندہ حاضری کی دعاؤں میں یہ توجیہ بھی شامل ہو گئی۔ اور اب بھی یہی گزارش ہے کہ یا اللہ' غارِ ثور اور ابواء شریف نہیں جا سکا' اب کے یہ خواہش بھی پوری کر دینا۔

درُودِپاک کے ایک مُبلّغ

منیر احمد غازی بہت بڑے سرکاری افسر ہیں لیکن ہمیں اس سے کیا' ہم تو اُن کی اس عادت کے قربان ہیں کہ وہ درود پاک کی اہمیت اور دیگر نیکیوں کے فروغ کے لیے سٹکر' پوسٹر' پمفلٹ' اور کتابچے چھاپ چھاپ کر مفت تقسیم کرنے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ ان کی افسری کا تو یہ حال ہے کہ وہ ٹیلی فون کے محکمے کے پاکستان بھر کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے ماہنامہ "نعت" کے سلسلے میں فون کے بغیر بڑی دقت ہوتی ہے اور اُن کے

گلے میں میری شنوائی نہیں ہوتی' فون لگوا دیں لیکن توبہ ہے کہ اُن کے کان پر جُوں تک رینگی ہو۔ بلکہ ایک مرتبہ میں اسلام آباد گیا تو ٹیلی فون کے بڑے دفتر واقع زیرو پوائنٹ میں اپنے ایک شاعر دوست رئیس بدایونی سے ملنے گیا۔ میں بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا' دیکھا کہ منیر احمد غازی باہر آ رہے ہیں۔ میں انہیں درود پاک کے سلسلے میں اُن کی خدمات کے زیر اثر حسب معمول جُھک کر ملا مگر شاید وہ یہ سمجھے کہ میں اُن سے ٹیلی فون کی بات کر بیٹھوں گا اور انہیں سفارش کے لیے کہہ دوں گا' اس لیے انہوں نے میری پرانی نیاز مندی اپنی آنکھوں کے ساتھ ماتھے پر رکھ دی' سلام کا جواب بھی صحیح طریقے سے نہ دیا اور بھاگ لیے۔ لیکن' میں اب تک ان سے اسی نیاز مندی سے ملتا ہوں جس سے پہلے ملتا تھا اور اس کی وجہ میں پہلے بیان کر ہی چکا ہوں۔

"نعت" کی تدوین میں معاونت

ایک دن ہم ان کے گھر ماڈل ٹاؤن میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے چشمۂ شفا کے بارے میں بتایا۔ لیکن پہلے میں ایک اور خاص واقعہ عرض کر دوں۔ ستمبر ۱۹۸۸ء کے اوائل کی بات ہے' منیر احمد غازی کے ہاں محفلِ نعت تھی۔ بعد میں مشروبات و ماکولات سے انصاف کرنے میں مشغول تھے کہ انہوں نے ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی کی ایک کتاب "علّموا اولادکم محبّۃ رسول اللہ" دکھائی۔ میں اُن دنوں ماہنامہ" نعت" کے میلادُالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موضوع پر خاص نمبر مرتب کر رہا تھا۔ میں نے محمد عبدہٗ یمانی کی یہ کتاب دیکھی جو سعودی عرب میں چھپی تھی اور نہایت خوبصورت چھپی تھی اور اس میں ایک باب میلادِ پاک کے بارے میں تھا۔ میں نے منیر احمد غازی سے اس کتاب کی فوٹو سٹیٹ نقل مانگی تاکہ میں اس کا ترجمہ کروا کے رسالے میں شامل کر لوں۔ اس پر انہوں نے اس باب کا ترجمہ بھی میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ یہ محمد طفیل ضیغم کی کاوش تھی جو دفتر میں اُن کے ساتھی تھے۔ میرے حواس پر عجب نشہ سا چھا گیا------- اور' سچی بات یہ ہے کہ میں نے ماہنامہ "النعت" کا ہر شمارہ نعت و

سیرتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موضوع پر خاص نمبر ترتیب دیا ہے اور شام تک دفتر میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد یہ کام کرتا ہوں۔ اور ۱۹۸۸ء سے اب تک پوری باقاعدگی سے بروقت ہر شمارہ ۱۷۶ صفحات پر چھاپ لیتا ہوں تو اس کی تیاری میں ایسی طرح میری مدد کی جاتی ہے' الحمدُ للہ! ورنہ میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔

چشمۂ شفا کی زیارت

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ منیر احمد غازی نے ایک بار چشمۂ شفا پر حاضری کا ذکر کیا اور اپنی بیگم کے بلڈ پریشر کی مستقل اور بڑی تکلیف دہ پریشانی ختم ہونے کی خبر سنائی۔ عبدالحق ظفر چشتی نے اپنی کتاب "رُوحانی شفا خانے" میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا ہے۔ ہم کچھ معلومات تو منیر احمد غازی سے لے کر چلے۔ اور پھر ایک بار مدینۂ طیبہ میں عمرے میں واپسی پر ہمیں مسجد قبا سے جو ٹیکسی ملی' وہ ضلع اٹک کے ایک پنجابی چلا رہے تھے۔ شاید محمد حسین نام تھا۔ اُن سے ہم نے چشمۂ شفا چلنے کی بات کی تو وہ راضی ہو گئے۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد اُن کے ساتھ چلے تو جبلِ اُحد کے دامن میں واقع حضرت حمزہؓ' حضرت مُصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور دیگر شہدائے اُحد کی قبورِ پاک کے قریب سے بائیں ہاتھ احد کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ وادی ربدان سے آگے نکل کر دائیں طرف ایک وادی نظر آئی۔ پہلے تو ٹیکسی والے دوست آگے نکل گئے لیکن بعد میں مُڑ کر واپس آئے اور اس وادی میں چلے۔ یہاں کوئی سڑک وڑک نہیں تھی۔ ایک طرف ایک بدّو اونٹوں کے ساتھ نظر آیا۔ اس سے جا کر پوچھا تو وہ سندھ کا کوئی ہاری نظر آیا یعنی پاکستانی۔ اور اس نے ہمیں چشمۂ شفا کی طرف اشارہ کر دیا۔

پانی پر مکھیاں

چشمۂ شفا پر پہنچے تو ٹیکسی سے نکلتے ہی فیاض و رفیق بھاگم بھاگ چشمے کے اوپر جا پہنچے۔ میں قریب پہنچا تو انھوں نے کہا، پانی پر مکھیاں بیٹھی ہیں۔ میں نے کہا، جو بھی ہو، ہم تو پانی پینے سے باز آ نہیں سکتے۔ ساتھیوں نے تائید کی اور اوپر پڑا ہوا "بوکا" نیچے لٹکا دیا۔ وہاں ایک گلاس بھی موجود تھا۔ چشمے میں پانی زیادہ گہرائی پر نہیں تھا۔ جب "بوکا" نیچے گیا تو مکھیاں اڑیں۔ مکھیاں اڑیں، تو پتا چلا کہ شہد کی مکھیاں تھیں۔ ہم تینوں اور ہمارے ساتھ ٹیکسی والے صاحب عجیب سُرور و کیف کی بارش میں نہا گئے۔ شہد کی مکھیاں پتا نہیں، پانی سے شہد کے لیے کس قسم کا خام مال سمیٹ رہی تھیں۔

چشمہ اور "چھپڑ"

کہتے ہیں کہ سرکارِ والا تبار علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگِ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لشکریوں کے ساتھ اس مقام پر ٹھہرے۔ یہاں پانی نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر دو بار چھڑی ماری۔ ایک جگہ سے آدمیوں کے لیے اور دوسرے مقام سے جانوروں کے لیے پانی جاری ہو گیا۔ اب بھی وہ صورت برقرار ہے۔ چشمۂ شفا کا پانی تو ذرا سی گہرائی میں ہے اور اس کے آس پاس پتھر لگا کر اسے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور جانوروں کے لیے پانی چھوٹے سے تالاب یا پنجابی میں کہیں تو "چھپڑ" کی شکل میں ہے۔ ہم نے پانی پیا بھی اور سروں پر بھی ڈالا۔ اتنے میں ایک ہیجڑو نما گاڑی میں ایک خاندان بھی وہاں آ پہنچا۔ وہ بھی ہماری طرح پاکستانی تھے۔ اور ہمارے ہوٹل "جوہرۃ المدینہ" میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

ڈراپر اور شفا

اس وقت خیال آیا کہ کوئی کین یا بوتل وغیرہ ساتھ لانا چاہیے تھی تاکہ گھر والوں کے لیے بھی تبرک بنا سکتے۔ ہماری یہ مشکل ٹیکسی والے صاحب نے حل کر دی اور

ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی بوتل جو انھوں نے اپنی کسی ضرورت کے لیے ٹیکسی میں رکھی تھی، ہمیں عنایت کر دی۔ ہم نے لاہور پہنچ کر یہ پانی آپس میں تقسیم کر لیا۔ پانی چونکہ تھوڑا ہے، ہم مختلف مرضوں یا تکلیفوں، پریشانیوں میں اسے ڈراپر کے ذریعے استعمال کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی رحمت سے شفا پاتے ہیں۔

ابواء شریف کے سفر کی نیت

ہم نے ٹیکسی والے صاحب سے گزارش کی کہ وہ ہمیں ابواء شریف لے چلیں لیکن وہ تیار نہ ہوتے تھے۔ ہم نے کچھ زیادہ ہی منت سماجت کی، انھیں منہ مانگی اُجرت دینے کا وعدہ کیا اور انھیں یہ تک کہا کہ اگر اس مقصد کے لیے پہلے مکہ مکرمہ جانا پڑے اور وہاں سے کوئی محفوظ راستہ مل سکتا ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں ------- تو انھوں نے کہا کہ وہ کبھی وہاں نہیں گئے۔ انھیں آج اور کل کا دن دیا جائے تو وہ پوری معلومات حاصل کر لیں اور شُرطہ سے بچنے کا کوئی راستہ بھی تلاش کر لیں۔ طے پایا کہ پرسوں نمازِ فجر کے بعد اُن سے وہیں بابِ مجیدی کے باہر والے غسل خانوں کے قریب ملاقات ہو گی اور ان شاء اللہ ابواء شریف چلیں گے۔ وہ اُس دن اُس وقت آئے تو سہی لیکن یہ خبر لے کر کہ وہ قانوناً اجازت کے بغیر اُس طرف نہیں جا سکتے اور شک یہی ہے کہ راستے میں کہیں نہ کہیں پکڑے جائیں گے اس لیے وہ معذرت خواہ ہیں۔ اس طرح اس سفر میں ہماری یہ مراد پوری نہ ہوئی۔

بارگاہِ سید الشہداؓ میں پھر حاضری

واپس آ رہے تھے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ کے پاس سے گزرتے ہوئے

میں نے ٹیکسی والے صاحب سے کہا کہ ہم اگرچہ کل ہی ڈاکٹر اصغر علی شیخ استاذ مدینہ یونیورسٹی کی معیت میں یہاں حاضری دے چکے ہیں لیکن یہ گوارا نہیں کہ قریب سے یوں بے گانگی سے گزرتے ہوئے چلے جائیں اس لیے ٹیکسی واپس لے چلیں۔ وہ ذرا جھجکے تو میں نے کہا کہ جتنے ریال آپ اور کہیں گے، ہم آپ کو پیش کر دیں گے لیکن ہمیں اس حاضری سے محروم نہ رکھیں۔ ٹیکسی والے، ہمیں واپس بارگاہِ حضرت حمزہؓ سید الشہدا میں لے گئے۔ میں نے ان دو سفروں میں تین بار وہاں حاضری دی ہے۔ ہر مرتبہ وہاں سلام عرض کرتے ہوئے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

قدمین پاک میں

پہلی بار مدینۂ طیبہ میں حاضری ہوئی تھی تو قدمین میں، میں اکیلا ہوتا تھا۔ اماں جی "رحمہا اللہ تعالیٰ" اور خالہ جان مستورات کے علاقے میں ہوتی تھیں۔ ایک دن میں نے محسوس کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی، قدمین کی سمت کی دیوار کے قریب ایک صاحب بیٹھے ہیں اور تین چار صاحبان ان کے قریب بیٹھے ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ وہ بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ سفید شلوار قمیص، سفید پگڑی اور سفید ہی چادر جس میں سر اور چہرہ لپٹا ہوا تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی ان کے قریب جاؤں اور ان کی گفتگو سنوں۔ لگتا تھا، وہ اچھی اچھی باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اپنی خواہش کو عمل کا جامہ نہیں پہنایا کہ میں بھی ان صاحب کے قریب چلا گیا تو کہیں معلوے حرکت میں نہ آ جائیں کہ اتنے بہت سے لوگ کیوں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی سکتے ہیں کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی بنا پر جمع ہو رہے ہیں اور اسی قسم کی باتیں کر رہے ہوں گے جو اُن لوگوں کو اچھی نہیں لگتیں جو اہلِ محبت نہیں ہوتے۔

میں نے اپنی خواہش کا گلا گھونٹ دیا، وہاں نہیں گیا۔ پھر میں سب کچھ بھول ہی گیا اور درود پاک پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ پھر نماز کا وقت ہوا تو اور کچھ یاد رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

جس شخص کو، معصیت کاری میں اُس کے طویل تجربے کے علی الرغم قدمین شریفین میں نماز کی اجازت اور توفیق مرحمت ہو جائے، اسے اور کیا چاہیے۔ دوسرے دن البتہ ظہر کی نماز سے پہلے، دربار میں حسبِ معمول جلدی حاضر ہوا تو قدمین شریفین کی دوسری صف میں ایک دھان پان سے صاحب بیٹھے نظر آئے جو کل اُن بزرگ سے باتیں سن رہے تھے۔ میں انہی کے پاس جا بیٹھا اور اُن سے بات کی۔ شائستہ خان بیتا گل نام تھا، کی مروت کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بزرگ برسوں سے مدینۂ منورہ میں ہیں اور ہمیشہ قدمین میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بس ہمیشہ یہیں بیٹھوں گا۔ ریاض الجنۃ میں جانے کا تصور بھی نہیں کرتے۔ وہاں کبھی جاتے ہی نہیں اور، اسی کرم کے سہارے زندگی بتا دینا چاہتے ہیں کہ انھیں قدمین پاک میں جگہ مل جاتی ہے۔

نور محمد جرال اور الیاس زاہد

شائستہ خان بیتا گل نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں زیارتیں کر چکا ہوں۔ اس دن منگل تھا، میں نے بتایا کہ پرسوں زیارتوں کے لیے جانا ہے۔ ہمیں مکہ مکرمہ کی زیارتوں میں تو وہ مزا نہیں آیا تھا جو آ جاتا تو ہماری خوش قسمتی ہوتی۔ ٹیکسی والے عرب کی گفتگو سے صرف شرک شرک کی آوازیں ہی بامعنی لگتی تھیں حالانکہ ہم کسی ایسے کام میں مشغول ہونے کی طرف مائل بھی نہیں ہوئے تھے جسے یار لوگ شرک کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مدینۂ منورہ کی زیارتوں کا اہتمام ایک اور طریقے سے فرما دیا جس میں عقیدتوں کا حسن اور محبتوں کا سایہ تھا۔ اصغر علی نظامی نے مجھے ابہا سے لکھا تھا کہ میں جدہ میں نور محمد جرال سے مل لوں۔ لیکن میں نے ان کی ہدایت پر توجہ نہ دی۔ انہوں نے جرال کا فون نمبر بھیجا تھا، میں نے اسے استعمال نہیں کیا۔ ہم دراصل یہ برداشت نہ کر سکتے کہ جدہ کا کوئی دوست ہمیں کچھ وقت یا محض چند منٹ ہی کے لیے سہی، جدہ میں روک لے اور ہم حرم کعبہ میں اتنی جلدی نہ پہنچ سکیں جتنی جلدی ہم ویسے پہنچ سکتے۔

اصغر علی نظامی نے نور محمد جرال کو بھی اطلاع دے دی تھی کہ اُن کے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام لیوا (راقم الحروف) مدینۂ طیبہ اور مکۂ پاک کی زیارت

کے لیے حاضر ہو رہا ہے۔ اور' انہوں نے مجھے ۱۸ نومبر ۱۹۸۹ء کو مدینہ شریف میں تلاش کر لیا۔ ہُوا یوں کہ میں کسی نماز سے پہلے وضو تازہ کرنے کے لیے باب مجیدی سے باہر واقع وضو خانوں میں گیا تو وہاں الیاس زاہد سے ملاقات ہو گئی۔ الیاس زاہد لاہور کے رہنے والے ہیں اور عرصے سے دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں ہیں۔ محبّت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعتیں پڑھا کرتے ہیں۔ ان سے میری ملاقات لاہور میں بھی اُس دن ہوئی تھی جس کے دوسرے دن وہ پہلی بار مدینۂ منورہ جانے والے تھے۔ سیّد محمد مرغوب' اختر الحامدی' حیدر آباد سندھ سے لاہور آئے ہوئے تھے۔ میں خود انہیں وہاں سے لاہور لایا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ پنجاب آئے تھے۔

علامہ اختر الحامدی مرحوم

علامہ اختر الحامدی سے میرا پہلا تعارف عجب گرماگرمی میں ہوا تھا۔ کراچی سے شائع ہونے والے ماہنامہ "ترجمانِ اہلِ سنت" پر اُن کا اسمِ گرامی حصۂ نظم کے نگران کے طور پر شائع ہوتا تھا۔ میں نے ایک بار پرچے کو کوئی نظم بھیجی تو علامہ اختر الحامدی کا پہلی بار خط آیا جس میں میری نظم کے دو تین مصرعوں پر اصلاح دی گئی تھی اور مجھے لکھا تھا کہ مجھ میں ٹیلنٹ ہے' نظم بھی ٹھیک ہے' لیکن میں پسند کروں تو وہ میرے یہ مصرعے یوں تبدیل کر دیں۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے میری نظم کو بہتر بنا دیا ہے لیکن گزشتہ چند ماہ کے "ترجمانِ اہلسنّت" میں چھپنے والی بعض نظموں کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے اُنہیں لکھا کہ وہ اس طرف بھی توجہ دیں۔ چونکہ ان کا نام حصۂ نظم کے نگران کی طور پر چھپتا ہے' اس لیے یہ غلطیاں اُن کے کھاتے میں پڑ رہی ہیں۔ انہیں میرا خط اچھا نہیں لگا اور سلسلۂ خط کتابت بھی آگے نہ چلا۔

ماہر القادری سے لڑائی

پھر ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء میں علامہ یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی کی نعت گوئی پر لکھے گئے میرے ایک مضمون پر ماہر القادری نے "فاران" میں اپنے مخصوص انداز میں تنقید کی۔

میرا مضمون ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور میں شائع ہوا تھا۔ ماہر القادری نے اس پر جو تنقیدی تبصرہ کیا' اس کے آخر میں لکھا کہ "نور الحبیب" کے ایڈیٹر اسے اپنے جریدے میں بھی شائع کریں۔ میرے کہنے پر صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری' ایڈیٹر نور الحبیب (مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ' بصیر پور) نے وہ تبصرہ اپنے رسالے میں چھاپ کر اعلان کر دیا کہ اگلے شمارے میں اس کا جواب شائع ہو گا۔ میں نے جو جواب لکھا اور وہ "نور الحبیب" میں شائع ہوا اس کے آخر میں' میں نے یہ لکھا تھا کہ میرا جواب ماہر صاحب "فاران" میں شائع فرمائیں تاکہ قارئینِ فاران پر اصل حقیقت واضح ہو سکے۔ میری اس پیشکش کا ذکر کرتے ہوئے روزنامہ "امروز" مرحوم کے "حرف و حکایت" میں عنقا ("عنقا" کے نام سے احمد ندیم قاسمی یہ کالم لکھتے تھے) نے تحریر کیا کہ اب دیکھتے ہیں ماہر صاحب اس پیشکش کا کیا جواب دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے' وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ یہ پیشکش' پیشکش کم ہے' پیچ کش زیادہ ہے۔

ماہر القادری نے میرے جواب کو فاران میں چھاپنے یا اس پر کچھ لکھنے کے بجائے مجھے ایک خط لکھا۔ میں نے اس خط کا جواب بھی "بنامِ ماہر" کے نام سے "نورُ الحبیب" میں چھپوا دیا۔ ماہر صاحب میرے اس دوسرے مضمون کا کوئی جواب خط کی صورت میں بھی نہ دے سکے اور انتقال فرما گئے۔ لیکن چونکہ علامہ اختر الحامدی' علامہ ضیاء القادری بدایونی کے شاگرد اور جانشین تھے' انہوں نے میرے مضمون پڑھ کر مجھے حوصلہ افزائی کا خط لکھا'۔۔۔ اور یہ خط میرے اُن کے تعلقات کی تمہید بن گیا۔ ہم پچھلی بات بھول گئے۔ میں نے اُن کے علم و فضل سے استفادہ کیا۔ انہوں نے مجھے' اپنے اعزاز میں میرے غریب خانے پر ہونے والی محفلِ نعت میں مسندِ جانشینی عطا فرما دی۔ یہ وہی تقریب تھی جس میں پہلی بار الیاس زاہد سے ملاقات ہوئی تھی۔

اس محفلِ نعت میں تمام نعتیں علامہ اختر الحامدی کی پڑھی گئی تھیں۔ میرے ایک دوست' الیاس زاہد کو ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے بھی اختر صاحب کی ایک نعت پڑھی تھی جو کیسٹ کی صورت میں میرے پاس محفوظ ہے۔ ۱۸ نومبر کو الیاس زاہد سے میری دوسری ملاقات بابِ مجیدی کے باہر بنے ہوئے وضو خانوں میں ہوئی۔ گلے لگ گئے اور کہنے لگے' نور

محمد جرال آپ کے چہرہ شناسا نہیں لیکن صبح سے سب ملنے والوں سے پوچھتے پھر رہے ہیں۔ چلیے' اصحابِ صُفّہ کے چبوترے کے قریب انہیں مل لیجیے۔ الیاس زاہد نے مجھے بتایا کہ انہیں بھی احباب نے میری آمد کی اطلاع دے رکھی ہے۔ ویسے تو مجھے بھی فون نمبر دے کر بھیجا گیا تھا مگر میں اس خیال سے کہ ملاقات ہوئی تو کچھ گپ شپ ہو گی۔ چائے کھانے کی دعوت دی گئی تو اتنا وقت ضائع ہو گا کہ حرم سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اتنی دیر دُوری کا خیال ہی سُوہانِ روح ہے ۔۔۔۔۔۔ میں نے انہیں فون بھی نہیں کیا تھا' اسی طرح جس طرح دوسرے فون نمبر استعمال نہیں کیے تھے۔

زیارتوں اور واپسی کا پروگرام

نور محمد جرال سے ملاقات ہوئی تو ان کے والدِ محترم کی زیارت بھی ہوئی' بڑے نیک بزرگ تھے۔ نور محمد نے کہا کہ آج تو وہ واپس جدہ جا رہے ہیں۔ آئندہ بدھ کی رات کو مدینۂ طیبہ پہنچ جائیں گے اور جمعرات کی صبح کی نماز کے بعد ہمیں خود زیارتیں کرائیں گے اور جمعہ کو ہمارے پروگرام کے تابع ہوں گے۔ میں نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ ہم نمازِ فجر کے بعد یہاں سے چل کر مکّہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں۔ جہاں نمازِ جمعہ کے فوراً بعد جدہ ائر پورٹ پر پہنچنا ہے۔ نور محمد جرال نے کہا کہ یہ سب کچھ اُن کے ذمے ہے اور میں اس موضوع پر سوچنے کا کام بھی نہ کروں۔

سرکار صلّی اللہُ علیہِ وسلّمْ تک براہِ راست رسائی

شائستہ خاں مینا گُل نے مجھ سے منگل کو پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ نور محمد جرال جمعرات کو ہمیں زیارتوں کے لیے اپنی گاڑی میں لے چلیں گے۔ دو بار کے ۱۹ دنوں میں 'مَیں نے گنتی کے چند' چند بھی کیا' پانچ چھ حضرات سے' قدمین شریفین میں مجموعی طور پر پندرہ سولہ منٹ سے زیادہ گفتگو نہیں کی ہو گی۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کون بدبخت ہے جو اُونچا بولنا چاہے گا' وہاں تو کسی کو کوئی ضروری بات کرنی بھی ہو

تو سرگوشی سے زیادہ کیسے کر سکتا ہے لیکن شائستہ خاں مینا گل نے اپنا منہ میرے کان سے اور زیادہ قریب کر دیا اور کہا' حضرت حمزہؓ کی بارگاہ میں حاضری ہو تو میرا سلام عرض کر دیں۔۔۔۔۔۔۔ اور 'جو جو بات آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منوانی ہو' حضرت حمزہؓ کی معرفت منوا لیں۔ ان کی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تک براہِ راست رسائی ہے۔

اشکوں کے آبشار

آپ محسوس فرما سکتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوا ہُوں گا' مجھے شائستہ خاں گُل کیسے یاد آئے ہوں گے' میں نے صاحبِ مزار کی وساطت سے اپنے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا کیا کچھ نہ منوایا ہو گا' کیا کیا کچھ نہ حاصل کر لیا ہو گا۔ اِدھر کچھ برسوں سے میں کچھ زیادہ ہی رقیق القلب ہو گیا ہوں لیکن مواجہہ شریف کی حاضری کے وقت اور حضرت حمزہؓ کی حضوری میں آنکھوں سے اشکوں کے جو آبشار پھُوٹتے ہیں' یوں لگتا ہے کہ اب یہ جھرنے موت کی وادی میں داخلے کے موقع ہی پر شاید خشک ہوں۔

عرش منزل مقام

دوسری بار کے سفر میں دوسری بار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حضور حاضری نے بھی سرُور و کیف کی لذّتوں سے آشنا کیا۔ اس مرتبہ بھی میں نے اپنی گزارشیں انؓ کی معرفت آقائے کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی بارگاہ میں پیش کر دیں جن میں سے کچھ اب تک منظوری کی سند سے مشرّف ہو چکی ہیں اور باقی یقیناً اپنے وقت پر خرمۂ اجابت پا لیں گی' ان شاء اللہ۔ ٹیکسی مڑی تھی تو فیاض حسین چشتی کہنے لگے' کل آپ نے ہمیں وہ مقام نہیں دکھایا' جہاں جنگِ اُحُد کے موقع پر پہاڑ نے شق ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی گود میں لے لیا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی بارگاہ سے ٹیکسی کی طرف چلے تو میں نے اپنے ساتھیوں کو وہ مقام دکھایا جو سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ فیاض صاحب کہنے لگے' اگر ٹیکسی والا ہمیں اس مقام سے قریب کہیں پہنچا دے تو کتنا اچھا ہو۔ میں نے سوچا نُور محمد جرال جیسے محبّت کے

ہنڈے نے بھی ہمیں وہاں نہیں پہنچایا تھا، یہ ٹیکسی والے صاحب کیسے لے جائیں گے، پھر بھی اُن سے بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں نے اُن سے بات کی جس میں یہ پیشکش بھی شامل تھی کہ وہ جتنا کرایہ مزید چارج کرنا چاہیں، کر لیں ـــــــ وہ فوراً راضی ہو گئے اور، ـــــــ ہمیں اُس مقام تک ٹیکسی میں لے گئے جہاں سے بہت تھوڑی اونچائی پر، بالکل سامنے وہ عرش منزل مقام تھا، جہاں میرے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما رہے تھے۔

مختلف جگہوں پر نئی نئی عمارات تعمیر ہو گئیں، نئے فرش بن گئے، آثار بعینہٖ محفوظ نہ رہے۔ لیکن وہ پتھر آج تک وہی ہیں جن پر غزوۂ اُحُد کے موقع پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما رہے۔ اس لیے ہم جس وفورِ شوق کے زیرِ اثر، بھاگم بھاگ چڑھائی پر چڑھے، قریب پہنچ کر اُتنی ہی تیزی سے ہمارے پیروں میں زنجیریں پڑ گئیں۔ اِس خیال سے نہیں کہ سعودی عرب والوں نے "شرک" سے بچاؤ کی خاطر پتھروں کی ایک دیوار بنا دی ہے۔ دیوار کا ایک حصّہ تو یار لوگوں نے توڑ کر راستہ بنا رکھا تھا۔ اگر دیوار پُوری طرح برقرار بھی ہوتی تو ہم وہاں جا ہی پہنچتے، کسی نہ کسی طرح۔ ہم رُک تو اِس لیے گئے تھے کہ وہاں مؤدّب ہو کر ہی حاضری جائز ہوتی۔ جمع متکلّم کا صیغہ میں نے یُوں استعمال کیا ہے کہ مجھے میرے رفقائے سفر کے ذوق کا بھی علم ہے، ورنہ جو کچھ بھی تھا، میرے اندر تھا۔

میرے پاؤں جُوتوں کی گرفت سے تو آزاد ہو گئے تھے، ادب و احترام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اور، ـــــــ اور مجھے پاؤں بھی بوجھ لگ رہے تھے۔ لیکن اس بوجھ کو اتار پھینکنا ممکن نہیں تھا۔ مگر بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ جہاں میرے سرکار اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کے قدم مبارک لگ چکے ہیں، وہاں میں کن پاؤں سے جاؤں، بلکہ کس منہ سے جاؤں۔ مگر، مجھ میں پتا نہیں، کہاں سے پُھرتی سی آ گئی۔ میں تیزی سے آگے بڑھا۔ لیکن وہی ہوش اور بیہوشی کے امتزاج والی کوئی کیفیت تھی۔ میری نگاہوں میں دُھند تھی، ہونٹ کبھی اس پتھر سے لگتے،

کبھی اس پتھر سے مَس ہوتے تھے۔ سَر نے تو اُس مقام پر بھی سجدہ نہیں کیا، جسم کے رُوئیں رُوئیں نے پتا نہیں کیسے کیسے جھک کر، کیا کیا معراج نہیں پائی۔ آپ کو کوئی فوٹو لگانا ہے تو چشم ما روشن، دلِ ما شاد!

جبلِ اُحُد کی عظمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اُحد سے محبت ہے، اُحد کو مجھ سے محبت ہے۔ آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا، اُحد جنّت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ حضورِ حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اُحد پر سے ایک تنکا بھی مل جائے تو اُسے کھا لینے کا حکم فرمایا۔ میں نے جنّت کے اُس پہاڑ کی زیارت کی، میں جنّت کے اُس ٹکڑے پر چڑھا، میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس محبوب کو چوما، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس محب پر اپنی آنکھوں کا رس بہایا۔ ہم نے اس سلسلۂ کوہ پر موجود ایک کیکر کے پات کھائے، کانٹے کھائے، چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں چبا کر نگلیں۔ ہم نے اس سلطنتِ کوہ کے بادشاہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا اور اُن کے ساتھیوں اور اُحد کے دوسرے شہیدوں کو سلیوٹ مارا، سلام عرض کیا، عقیدت کے جذبات نذر گزارے۔

ڈاکٹر اصغر علی شیخ

اس سے ایک دن پہلے ڈاکٹر اصغر علی شیخ نے ہمیں زیارتیں کرائیں۔ اصل میں، میرے ساتھی مجھے تین دن کہتے رہے کہ ڈاکٹر صاحب کو فون کرو۔ پھر میں نے فون کیا تو کنجوسی سے کیا۔ آدھے ریال کا ایک سکّہ میرے پاس تھا، میں نے وہ ٹیلی فون بوتھ کے پیٹ میں پہنچا دیا۔ گھنٹی بجی، ڈاکٹر صاحب نے فون اٹھایا، ان کی آواز آئی، میں نے آواز پہچانی اور بس ـــــــ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے دوبارہ سات

روپے کا سکّہ (ایک ریال) نذر کیا تو بُوتھ کے معدے کو تسلی ہوئی اور ڈاکٹر صاحب سے بات ہو گئی۔ بہت خوش ہوئے' بہت خوش ہو کر ملے' بہت خوش ہو کر ملتے رہے۔ ہمیں زیارتیں بھی کرائیں' ہمیں کھانا بھی کھلایا' بجلی کی استری خریدنے میں ہماری مددیوں کی کہ دو نمبر مال سے ہمیں بچالیا۔

دو نمبر مال اور بھاؤ

پاکستان میں تو خیر' ہر چیز کی پیدائش کے فوراً بعد دو نمبر مال سامنے آجاتا ہے۔ یوں لگتا ہے' ایک اور دو نمبر' دونوں جڑواں ہیں اور لگتا کیا ہے' بعض صُورتوں میں یہی ہوتا ہے۔ لاہور میں تو سیانے لوگ اب ایسے نیک دکاندار سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک نمبر اور دو نمبر' دونوں قسم کا مال دکھاتا ہے۔ دو نمبر کی اصل قیمت مثلاً ۱۵ روپے اور ایک نمبر کی قیمت ۳۵ روپے بتاتا ہے اور ۳۵ روپے میں ۵' ۱۰ یا ۱۵ روپے کا دو نمبر مال بیچ دیتا ہے۔ دیارِ پاک میں بھی اب دو نمبر مال چلنے لگا ہے۔ چیزوں کے بھاؤ بھی ہر دُکاندار اپنی مرضی کے مطابق بڑھا بھی لیتا ہے اور اس کو دو یا تین سے ضرب بھی دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔

ملاقاتیں اور شناسائیاں

ڈاکٹر اصغر علی شیخ ہر روز فجر کی نماز کے وقت مسجدِ نبویؐ کے کسی اور طرف ادا کرنے کے بجائے قدمین شریفین میں ادا کرنے لگے۔ بارگاہِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں انہیں بہت مؤدب کھڑے دیکھ کر اُن کا بہت ادب کرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔ کبھی ہم سے وہاں بات کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اور' عرش سے نازک اُس مقام پر کون کس سے بات کرنا چاہے گا' وہاں تو صرف حضور رحمتِ ہر عالم صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خیال اور ان کی بارگاہِ بیکس پناہ کی عظمت کا خیال ہوتا ہے۔ وہاں تو کسی سے بات کرنے کی نہ کسی کو فرصت ہوتی ہے' نہ حاجت۔ ایسے میں جب ایک دن میری بند آنکھوں اور درود و سلام میں مصروف زبان کو کھُلنا اور رُکنا پڑا تو مجھے عجیب سا لگا۔ ایک ہاتھ میری کندھے پر تھا۔ میں نے اُن صاحب کی طرف دیکھا تو صُورت آشنائی کی کوئی یاد یاور نہ ہوئی۔ لیکن اس معاملے میں مجھے اپنے آپ پر قطعاً اعتماد نہیں ہے۔ دو تین دنوں میں ایک آدھ صاحب مجھے ایسے ضرور ملتے ہیں' جنہیں مل کر میں اپنی باچھیں کھلا دیتا ہوں' گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا ہوں' اپنائیت سے اُن کا حال پوچھتا ہوں' وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں انہیں پہچان نہیں سکتا۔ ملنے والے صاحب کو تو میں کم ہی جانے دیتا ہوں کہ انہیں جان پہچان نہیں سکا لیکن میرے قریبی دوست میرے ضرورت سے زیادہ تپاک کی وجہ سے جان جاتے ہیں کہ میں ملاقاتی کو پہچانے میں مار کھا گیا ہوں۔ ایسے میں اگر وہ ملاقاتی کو جانتے ہوں تو اچھے انداز میں اُن کا نام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور میں تشکّر آمیز نظروں سے انہیں دیکھ کر معاملے کو مزید سنبھال لیتا ہوں۔

پروفیسر محمد طاہر القادری

مجھے جن صاحب نے قدمین شریفین کی محویّت کے آسمان سے زمین پر دے مارا تھا' اُن کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا تو انھوں نے سرگوشی میں پوچھا' راجا صاحب؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بُدبُدائے' پروفیسر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے آہستہ سے پوچھا' کون پروفیسر صاحب؟ کہا' پروفیسر محمد طاہر القادری۔ میں نے "اچھا" کے انداز میں سر ہلا دیا۔ میں پروفیسر صاحب کو دو دن سے قدمین میں دیکھ رہا تھا۔ میرے ان سے کچھ ایسے محبت کے تعلقات اب رہے بھی نہیں۔ وہ تو اسی وقت تک تھے' جب وہ صاحبِ علم تو ایسے ہی تھے' لیکن "بڑے آدمی" نہیں بنے

تھے۔ اصل میں، جو لوگ غرور اور تکبّر کی صفت سے متّصف ہو جائیں، میں انہیں
چھوٹا آدمی جانتا ہوں اور اُن سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ معاملہ حضورِ اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کا تھا، اُن کے قدمین شریفین کا تھا۔ یہاں اگر کوئی آدمی
مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرے تو اُس سے نہ ملنے کا تصوّر مجھے گناہ لگتا ہے
چاہے وہ کیسا ہی آدمی ہو۔ مگر یہ معاملہ اپنی جگہ ہے کہ میں کسی سے بھی اُس جگہ نہ
مل سکتا تھا، نہ بات کر سکتا تھا۔ دو دن سے پروفیسر محمد طاہر القادری مجھے وہاں نظر آتے
تھے اور وہ میری طرح قدمین شریفین کی چوتھی صف میں حاضری کے لالچی نظر آئے
لیکن میں وہاں بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ عشا کی نماز کا وقت تھا۔ میں نماز کے بعد بابِ
جبریلؑ سے باہر نکل کر کھڑا ہو گیا کہ پروفیسر باہر نکلیں تو اُن سے ملاقات ہو۔

میں اپنے دونوں رُفقا کے ہمراہ کچھ دیر باہر کھڑا رہا۔ پھر رفیق احمد خاں سے کہا
کہ اندر جھانک کے دیکھیں، پروفیسر کھڑے ہیں یا کسی اور طرف سے نکل گئے ہیں۔
انہوں نے آ کر بتایا کہ وہ نہیں ہیں۔ یوں، میری اُن سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ تو
سمجھتے ہوں گے کہ میں نے اُن کی خواہش کے باوجود انہیں ملنا پسند نہیں کیا، لیکن
حقیقت وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ قدمین شریفین میں اُن سے یا کسی سے بھی
غیر متعلق بات کرنا میرے نزدیک گناہ تھا اور باہر اُن سے ملاقات نہیں ہو سکی۔

حاضریاں اور حسرتیں

دو دفعہ کی مدینۂ پاک کی حاضری کے دوران میں زیارات کے حوالے سے
بہت سی حسرتیں میرے دل ہی میں رہ گئی ہیں۔ ان شاءاللہ آیندہ کی حاضریوں میں یہ
حسرتیں نکلتی رہیں گی۔ حرم پاک میں بھی زیادہ وقت تو قدمین شریفین میں گزرتا تھا، یا
پھر اصحابِ صُفّہ کے چبوترے پر یا اس سے قبلہ کی طرف آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کے مبارک گھر کی دیوار کے ساتھ سر لگا کر نوافل میں سجدہ کرنے کا لطف آتا

رہا۔ کبھی کبھی ریاضُ الجنّۃ میں دو نفل پڑھتا تھا اور ہر بار کی حاضری پر مواجہہ شریفہ
کے سامنے دُرود و سلام میں مصروف زائرین کے پیچھے کھڑے ہو کر ایک بار کی حاضری
ہوتی تھی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جُرأت کہاں سے لاتا اور، آنکھ اٹھاتا تو دیکھتا کیسے کہ
یہاں آ کر بارش مُوسلا دھار ہو جاتی تھی۔ پہلی بار کی حاضری میں ایک بار محرابُ النبی
(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے دو نفل پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔
میں نے اندازے سے سجدہ کرنے کی کوشش کی جہاں میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا
کے پاؤں ہوتے ہوں گے۔ بعد میں مجھے کسی نے بتایا کہ تُرکوں نے محرابِ سرکار (علیہ
الصلوٰۃ والسلام) کو محفوظ کرتے ہوئے یہ اہتمام کیا تھا کہ لوگ محراب میں سجدہ کریں
تو اُن کے ماتھے وہاں ٹکیں جہاں محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے قدم مبارک
ہوتے تھے۔ اگر یہ معلومات درست ہیں تو پھر میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں گا لیکن میں تو
پیچھے ہی رہنے والا ہوں، پیچھے ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اپنی اوقات جانتا ہوں، یہ بھی بہت
ہے کہ پیچھے، بہت پیچھے ہی سہی، کہیں حاضری تو لگ جائے۔ وہاں تو حُسنِ نیت کی
پذیرائی ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر مبارک کے سامنے کبھی نہ کبھی میرا
راؤ چل جاتا تھا، وہاں حاضری ہوتی رہی۔ پہلی بار بہت زیادہ۔ میں نے دیکھا ہے کہ مکّۂ
مکرمہ اور مدینۂ منوّرہ میں ہر آدمی اپنے آپ میں مگن ہوتا ہے۔ وہاں مزے لینے کے یا
حاصل کرنے کے لوگوں کے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ میں نے مکّۂ مکرمہ میں ملتزم کے
سامنے ایک شخص کو سجدے میں باآوازِ بلند درودِ پاک پڑھتے سُنا۔ کوئی صرف خانۂ کعبہ
میں یا مدینۂ طیبہ میں گنبدِ سبز کو دیکھے جاتا ہے تو اسی میں مگن ہے، بلکہ گم ہے۔

ایک "ناصحِ مشفق"

اس سلسلے میں، دوسری حاضری میں ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ گنبد

پاک کے مشرق کی طرف جس جگہ چھت نہیں ہے اور وہاں سے گنبد شریف دیکھنے میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے' قابلِ بیان نہیں۔ پہلی بار میں نے وہیں کھڑے ہو کر جمعۃُ المبارک کی نماز ادا کی تھی۔ نماز کا تو پتا نہیں' نظر بار بار گنبد شریف کی طرف اُٹھ جاتی تھی لیکن اس عبادت میں مزا بڑا آیا۔ ہم دوسری بار گئے تو یہ جگہ بند تھی' وہاں توسیع کے سلسلے میں کوئی کام ہو رہا تھا۔ اس جگہ کے بائیں طرف تو خواتین ہوتی ہیں۔ دائیں طرف کے برآمدوں میں فیاض و رفیق و رشید تینوں ایک دن بیٹھے گنبد سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نظارہ کر رہے تھے۔ تینوں اپنے آپ میں نہیں تھے یا اپنے آپ میں گم تھے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا' کسی کو شاید اپنے دوسرے ساتھیوں کی قُربت کا احساس بھی اُس وقت نہ ہو رہا ہو۔ ایسے میں' سکون و طمانیت کے اس تالاب میں ایک صاحب نے پتھر پھینک دیا۔ عربی بولنے والے کوئی صاحب تھے۔ ہمیں متوجہ کیا اور قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔ ہم ظاہر ہے کہ کچھ بائیں طرف مڑے ہوئے تھے اور کسی طرح اس انداز میں نہیں بیٹھے تھے کہ کسی کو عبادت یا نماز کا گمان ہوتا' دو زانو نہیں بیٹھے تھے' ہمارے ہاتھ گھٹنوں پر نہیں تھے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے لیکن "ناصحِ مشفق" نے اپنا کام دکھا دیا۔

مجھے سرے سے غصّہ ہی نہیں آیا' میں نے "اچھا" کہنے کے انداز میں سر کو جُنبش دی اور وہ ہمیں کچھ اور "شرک پرُوف" ہدایات دیتا ہُوا چلا گیا۔ آج میں سوچتا ہوں تو مجھے اُس شخص پر غصہ آ جاتا ہے۔ جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے' بڑی غم اور غصّے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حرمِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں میرا مشہُور غصّہ غائب ہو گیا۔ بعد میں فیاض حسین چشتی ہنستے تھے کہ اگر ان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار نہ ہوتا تو راجا رشید اُس شخص کو کتنی ہی گالی دیتا' جس کو ہمارا گنبدِ پاک کی طرف دیکھنا "حرام" لگتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ناصحِ غیر مشفق کو وہاں کچھ کہہ تو نہ سکا لیکن وہ ہمیں وہاں سے اٹھا نہیں سکا تھا۔ جب تک ہمارا جی چاہا' ہم وہاں سے بیٹھے تکا کیے۔

یبُوست زدہ چہرے

قدمین میں تو پاکستانیوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ اصحابِ صُفّہ کے چبوترے اور ریاض الجنّۃ کی طرف بھی اہلِ محبت جمع ہوتے ہیں' مجھے تجربہ نہیں ہُوا' اور خدا ایسا تجربہ کبھی نہ کرائے کہ میں مواجہہ شریفہ کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کو دیکھوں' اس نقطۂ نظر ہی سے سہی' کہ یہاں کس ملک کے لوگ نماز میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ ایک بار میں نے رائے کمال سے کہا کہ مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کسی اہلِ محبت کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن اُن کا خیال تھا کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف پشت کر کے کھڑے ہونا کسی اہلِ ایمان کے لیے ممکن نہیں۔

پہلی بار کی حاضری میں مجھے ایک لمبے سے صاحب ملے۔ کسی نماز کے لیے' وقت سے پہلے قدمین شریفین میں آتے ہی مجھے کہنے لگے' یہ جو مطوعے' لوگوں کو دعا مانگنے سے' اور کبھی کبھی ہاتھ باندھ کر درود و سلام پڑھنے سے روکتے ہیں' ان میں سے کسی کے چہرے پر کچھ نُور' کوئی تازگی نظر آتی ہے؟ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا' جو لوگ سارا سارا دن حضور علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی طرف پُشت کر کے کھڑے رہتے ہیں' ان کے چہرے تو یبُوست زدہ ہی ہو سکتے ہیں۔ قرآن کی زبان میں "عبوسًا قمطریرا"۔

ایک خُوبصُورت مُطوعہ

میں نے دونوں بار صرف ایک مُطوعہ ایسا دیکھا جس کا چہرہ خوبصورت تھا لیکن اس کو دوسروں سے زیادہ سخت دیکھا۔ آنکھیں اس کی سانپ کی مانند تھیں۔ پہلی بار عام طور سے اس کی ڈیوٹی مواجہہ شریفہ میں دیکھی۔ وہ ہر گزرنے والے کو نظر میں

رکھتا تھا کہ کوئی آدمی جالیوں کو چھو نہ لے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دھیان بھی رکھتا تھا کہ کوئی شخص دعا کو ہاتھ نہ اٹھا لے۔ ایک بار میں نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک صاحب درود و سلام پڑھتے پڑھتے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے لگے۔ مطوعہ صاحب نے منہ سے کچھ آوازیں نکال کر انہیں اس "گناہِ کبیرہ" سے باز رکھنے کی کوشش کی' اس کے ساتھ ساتھ ان کی نظریں اُدھر سے گزرنے والوں کے دلوں تک میں کھبتی دکھائی دیتی تھیں۔ دعا مانگنے والے صاحب اپنی لگن میں مگن تھے' انہوں نے آوازوں کی طرف توجّہ نہیں دی تو یہ صاحب بھاگ کر گئے' دعا مانگنے والے کے ہاتھ زور سے نیچے کیے اور بھاگم بھاگ واپس ڈیوٹی پر پہنچ گئے لیکن اس بہت ہی قلیل وقفے میں مطوعہ صاحب کی پُشت پر بھی موجود آنکھوں سے نکلتے ہوئے شراروں کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک صاحب جالی مبارک کو ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھ کو چومتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ مطوعہ صاحب دوڑ کر واپس آئے' "مجرم" صاحب کے پیچھے بھاگے لیکن پھر شاید اس خیال سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک کے سامنے پُشت کر کے کھڑے ہو گئے کہ یہاں سے گزرتے ہوئے کچھ اور لوگ بھی اس "شرک" کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

خواہش کی پذیرائی

ایک بار میں قدمین شریفین کی چوتھی صف میں موجود تھا۔ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں نے دیکھا کہ یہ مطوعہ بھی اسی صف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک قدموں کے سامنے کھڑا ہے۔ نفرت کی ایک بہت گہری لہر نے میرے وجود کو جکڑ لیا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ شخص اور میں' دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے تو میری نماز کا اللہ ہی حافظ ہے۔ دل سے ہُوک اٹھی کہ مجھے اگر تیسری صف میں جگہ مل جائے تو میں آگے بڑھ جاؤں۔ میں نے سامنے موجود تینوں صفوں پر نگاہ

دوڑائی' کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اپنی صف کے بائیں طرف دیکھا اور سوچا کہ اگر اور کوئی صُورت نہ ہو تو اس شخص سے ذرا دُور ہی ہو جاؤں۔ بات بنتی دکھائی نہ دی۔ پھر سامنے دیکھا تو بالکل میرے سامنے' تیسری صف میں ایک آدمی کی جگہ خالی ہو گئی تھی' جانے کیسے۔ لیکن یہ وقت سوچ بچار کا نہیں تھا۔ میں نے تیسری صف کی طرف قدم بڑھایا' اور نماز شروع ہو گئی۔

قرآنِ پاک کی مظلومیت

مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے حرمین شریفین کے امام ہمارے اماموں کی طرح گا کر قرآنِ مجید نہیں پڑھتے' اُن کی تلاوت میں بہت سُرور آتا ہے۔ وہ اصل میں قرآن گا کر پڑھ ہی نہیں سکتے۔ اس کلامِ خداوندی کو گائیکی اور ترنّم کی نذر وہی کر سکتا ہے جو اس کے معانی و مفاہیم سے آگاہ نہ ہو۔ قرآن تو اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں کچھ واقعات ہیں' ان کے ذریعے بھی ہمیں کرنے اور نہ کرنے کے کام بتائے گئے ہیں۔ یہ کتاب ہمیں زندگی کے رہنما اُصول بتاتی ہے' زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تو نہ تھا کہ ہم اسے اپنے گھر کے طاق میں رکھ دیں اور گھر میں داخل ہوتے یا گھر سے جاتے وقت اس کی برکت سے فیض یاب ہوں۔ یا اس کی کوئی سُورۃ کسی کی موت آسان کرنے کے لیے پڑھیں۔ یا محض یہ حساب لگاتے رہیں کہ اگر ہم نے ڈیڑھ ہزار حروف طوطے کی طرح رٹ لیے تو ہماری نیکیوں کی مد میں پندرہ ہزار کی تعداد کا اضافہ ہو جائے گا۔

قرآنِ مجید گا کر پڑھنا

پھر اس کا گا کر پڑھنا تو عجیب صُورت پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً قرآنِ مجید میں ہے

کہ اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ اس قسم کی کوئی آیت جب کوئی قاری گا کر پڑھتا ہے تو مطلب کیا بنتا ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ باپ بچے کو تنبیہہ کرے کہ اگر تم نے آج شام سبق یاد نہ کیا تو جُوتے سے تمہاری مرمت ہو گی۔۔۔۔۔۔ اور یہ الفاظ وہ بھیرویں میں یا دادرا یا سرگم میں ادا کرے یا راگ ایمن میں گائے۔۔۔۔۔۔۔ پھر ہماری قرات کی محفلوں میں ایک اور بدعت در آئی ہے کہ قاری صاحبان قرآن پڑھتے ہیں اور سامعین سُبحان اللہ' ماشاءاللہ سے اُن کی حوصلہ افزائی کرتے جاتے ہیں۔ اب قاری صاحب اللہ کے عذاب کی وعید والی آیت گا کر پڑھ رہے ہیں یا اعمال حبط ہو جانے کا حکم تجوید کے ذریعے لوگوں تک پہنچا رہے ہیں اور سامعین "سُبحان اللہ" کے نعرے لگا رہے ہیں۔

اہلِ زبان یا زبان دان

اہلِ عرب چونکہ قرآنِ مجید کے معانی و مفاہیم سے نابلد نہیں ہوتے' وہ اسے گا کر پڑھ ہی نہیں سکتے۔ یہ اہلِ زبان ہونے یا زبان دان ہونے یا نہ ہونے کی بات ہے۔ ایک روز مرہ کی مثال ہے کہ اذان میں تو مؤذن نے ترنم اور صدا کاری کے جوہر دکھا دیے۔ اب اگر ایسے میں واپڈا کی مہربانی سے لاؤڈ سپیکر کام نہ کر رہا ہو اور تھوڑی دیر کے بعد بجلی آئے تو مسجد کا امام یا مؤذن یا کوئی نمازی لاؤڈ سپیکر پر پنجابی یا اُردو میں بتاتا ہے کہ حضرات! اذان ہو گئی ہے' نماز میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ جلدی جلدی مسجد میں تشریف لے آئیے۔ یہ الفاظ وہ چونکہ اپنی زبان میں ادا کر رہا ہوتا ہے اور اُن کے معنٰی سے واقف ہوتا ہے اس لیے یہ الفاظ کبھی ترنّم سے ادا نہیں کرتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ امامِ کعبہ اور امامِ مسجدِ نبویؐ قرآنِ مجید کو ترنم کی بیساکھیوں کے سہارے مؤثر بنا کر پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور جہاں حکم ہوتا ہے' حکم پہنچانے کے انداز میں' جہاں بیانِ واقعہ ہوتا ہے' وہ اُس کے مطابق' جہاں دوسرے

کسی لہجے کی ضرورت ہوتی ہے' وہاں اُس میں قرآنِ حکیم پڑھتے ہیں۔

سعودی عرب میں نماز

نماز کے دوران میں بعض باتیں ہمارے یہاں مروّج انداز سے وہاں مختلف نظر آتی ہیں۔ مثلاً یہاں میں نے دیکھا ہے کہ امام نماز کے اختتام پر دائیں طرف سلام کہتا ہے تو مقتدی عام طور پر فوراً دونوں طرف کا کام نمٹا دیتے ہیں۔ وہاں یہ ہوتا ہے کہ امام کے سلام کا کسی مقتدی پر اثر نہیں ہوتا۔ اور مُکبّر پہلی بار دائیں طرف کو مُڑتا ہے تو مقتدی دائیں بائیں سلام کہہ لیتے ہیں اور مُکبّر جب بائیں طرف سلام کہتا ہے' اس وقت لوگ اٹھ رہے ہوتے ہیں یا اٹھ چکے ہوتے ہیں۔

یہاں "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد مُکبّر "ربّنا لک الحمد" کہتا ہے' وہاں عام طور پر "ربنا ولک الحمد" کہتے ہیں۔ یہاں ہر نماز کے بعد سُنن و نوافل کا اہتمام ہوتا ہے' وہاں کے لوکل تو فرض نماز کے بعد بھاگنے میں جلدی کرتے ہیں۔ کرنل محمد خان نے "بجنگ آمد" میں شاید مصر کی ایک مسجد میں نمازِ جمعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہاں نماز فری سٹائل انداز میں ادا کی جاتی ہے۔ کوئی صاحب نماز پڑھتے ہوئے بڑے اہتمام سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پائے گئے اور ایک خاتون کو انہوں نے دیکھا جو التحیات کے دوران میں سگرٹ بھی پی رہی تھیں۔ حرمین شریفین میں خدا نا کردہ' ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔ البتہ کچھ لوگ تھوڑا بہت اِدھراُدھر بھی جھانک لیتے ہیں اور حرم کعبہ یا حرم مدینہ میں نماز سے پہلے تو کئی آدمیوں کو مسواک کرتے دیکھا' کچھ لوگوں کو نماز کے دوران میں یہ شغل کرتے ہوئے پایا۔

حرمین میں چونکہ دُنیا بھر کے مختلف علاقوں کے مسلمان حاضری دیتے ہیں' اور مختلف مذاہب سے متعلق ہوتے ہیں اس لیے کوئی ہاتھ کھول کر' کوئی ہاتھ باندھ کر' کوئی کسی طرح' کوئی کسی طرح نماز پڑھ رہا ہوتا ہے۔ تشہُّد میں ہم تو جب اللہ کریم

جل و علا کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں' اُس وقت دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھاتے ہیں۔ وہاں بعض لوگ تشہُد میں بیٹھتے ہی سلام تک مسلسل اس انگلی کو اُٹھاتے بٹھاتے رہتے ہیں۔

ذرائعِ ابلاغ کے "اوامر و نواہی"

میں نے دو بار کی حاضری میں ایک بات یہ محسوس کی ہے کہ امام صاحبان قرآنِ پاک کے کچھ خاص حصے پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ تو خیر یہی ہو گی کہ وہ یہی خاص حصے زیادہ اچھے پڑھ سکتے ہوں گے لیکن اس سے مجھے یہ لطیفہ ضرور یاد آیا کہ ہمارے ذرائعِ ابلاغ میں سے ریڈیو اور ٹی وی پر سرکاری قبضہ اور حکومت پر جس پارٹی کا قبضہ ہوتا ہے' وہ کچھ اشعار کو اپنے مقصد کے پیشِ نظر ان ذرائعِ ابلاغ میں ضرور پڑھواتے ہیں یا کچھ اشعار کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً بھاشانی کی مخالفت کا معاملہ تھا تو ریڈیو' ٹی وی پر "اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو۔ کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو" کا پڑھنا ممنوع تھا۔ جماعتِ اسلامی کا اثر ہُوا تو "اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں۔ مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ اِلّا اللہ" کو نکال باہر کیا گیا——— قرآنِ پاک پر تو اس قسم کی کوئی قدغن نہ یہاں لگائی جا سکتی ہے' نہ سعودی عرب میں۔

ہمارا قومی وتیرہ ہے کہ سُن کر مان لیتے ہیں' اور دیکھ کر کرنے لگتے ہیں۔ صدر محمد ضیاءُ الحق کے زمانے میں ٹی وی پر تراویح کی نماز دکھائی جانے لگی تو اُس کا لوگوں پر اثر ہوا۔ حرمین شریفین میں سُورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد بلند آواز سے "آمین" کہی جاتی ہے تو وہ لوگ جو مسلکاً آمین بالجہر کے قائل نہیں بھی ہوتے' وہ بھی آواز میں آواز ملا دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق ظفر چشتی نے ہمیں بتایا کہ انہیں تو یہ منظر اتنا اچھا لگتا تھا کہ بس کچھ نہ پوچھیے اور وہ وہاں تو عملاً آمین بالجہر کے قائل ہو گئے تھے۔

اور' حقیقت یہی ہے کہ یہ کوئی کفر اور اسلام کا جھگڑا تو ہے نہیں کہ ہم اس پر

مسلمانوں میں شکر رنجیاں' مُخاصمتیں' مخالفتیں اور دشمنیاں پیدا کر کے معاشرے کے سکون کو زیر و زبر کرتے رہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل تک کا منظر

پہلے' حرمین میں چار مُصلّے ہوتے تھے۔ صبح کی نماز شافعی امام کے پیچھے سب سے پہلے اور حنفی امام کے پیچھے سب سے آخر میں پڑھی جاتی تھی۔ دیگر اوقات میں پہلے حنفی' مالکی اور حنبلی اور سب سے بعد میں شافعی امام نماز پڑھاتے تھے۔ جُمعہ کے دن باری باری چاروں مسالک کے امام خطبہ پڑھتے اور نماز پڑھاتے تھے۔ مدینۂ طیبہ میں حنبلی مصلّیٰ نہیں تھا۔ شاید محمد محیُ الدین حسین نے اپنے سفرنامۂ حجاز میں لکھا تھا۔ انہوں نے بیسویں صدی کے اوائل میں حج کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت نمازِ جُمعہ کے بعد ہزاروں زائرین و حُجاج دست بستہ مؤدّب کھڑے ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں درود و سلام پڑھتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ جس وقت خطیب خطبۂ جمعہ پڑھتا تھا' لاؤڈ سپیکر پر دو آدمی ساتھ ساتھ مسلسل درودِ پاک پڑھتے تھے۔

درُود و سلام کا اہتمام

درودِ پاک کے سلسلے میں امامِ کعبہ اور امامِ حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خطبۂ جمعہ میں مَیں نے سنا کہ وہ جب بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی لیتے تھے' درُود ضرور پڑھتے تھے۔ بلکہ صرف "قَالَ" کہہ کر بھی "صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے تھے۔ ہمارے یہاں کے بریلوی امام اور خطیب بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے جو عشقِ مصطفیٰ (علیہ الصلوٰۃ والثنا) کو اپنا تشخص قرار دیتے ہیں۔ میرا

ایمان لائے کہ اللہ کریم کے حکم درود و سلام خوانی کے انداز ہی نے اُسے مسلمانوں پر فرض قرار دے دیا ہے اور پھر احادیثِ مبارکہ میں اُن لوگوں کے لیے جو وعیدیں بیان ہیں جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ گرامی کو سُن کر درود نہیں بھیجتے' اس کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ہم سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی لیں' لکھیں' پڑھیں یا سُنیں اور درود و سلام کے فرض سے غافل رہیں۔

میری جو تحریر آپ کے پیشِ نظر ہے' اس میں آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ جہاں میرے اور آپ کے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا کا اسمِ گرامی یا ذکرِ مبارک آتا ہے' وہاں درود و سلام کا کوئی صیغہ استعمال کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کتاب کو بڑا کرنا نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میں کسی وعید کی زد میں نہ آ جاؤں اور درود و سلام پیش کر کے دُنیوی اور اُخروی سعادتوں کو حاصل کرتا رہوں۔ جتنی کتبِ احادیث ہمارے سامنے ہیں' ان میں جہاں اور جتنی بار حضرت رسولِ انام علیہ التحیۃ والسلام کا اسمِ گرامی یا کوئی ضمیر آتی ہے' درود و سلام کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کتابوں کا حجم آدھا تہائی ہو سکتا تھا لیکن کسی محدث نے یہ گوارا نہیں کیا۔

رحمتوں کا نزول اور درجوں کی بلندی

مشہور حدیثِ پاک ہے' حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درودِ پاک پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے' اُس کے دس گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔ ایک بار ڈاکٹر ریاض مجید سے بات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم اِن الفاظ کی معنویت پر غور نہیں کرتے ورنہ اللہ کریم جلّ جلالہٗ کا دس رحمتیں نازل کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کی رحمت تو ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے' ہر شے کو محیط ہے۔ اور' جب وہ خود ایک کام بتا کر' بلکہ اس سے پہلے اس کام کی اہمیت کے حوالے سے یہ بتا کر کہ وہ خود اور

اس کے ملائکہ مقربین یہ کام کرتے ہیں' اس کے بدلے میں دس رحمتیں نازل کرنے کا وعدہ کرتا ہے' اور اس کی رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے تو ایک مرتبہ درودِ پاک پڑھنے والا کیا کیا کچھ حاصل نہیں کر رہا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے مجھ پر بڑا اثر کیا مگر پچھلے دنوں میں نے ایک حدیثِ پاک پڑھی کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ صحابہؓ کو تیر اندازی میں کمال دکھانے کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا ایک تیر بھی کسی دشمن کو لگ گیا تو تمہارا ایک درجہ بڑھا دیا جائے گا۔ کسی نے پوچھا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) درجہ کیا ہے؟ تو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ درجہ تمہاری ماں کی چوکھٹ نہیں۔ دو درجوں کے درمیان ایک سو برس کا فاصلہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے یہ حدیثِ پاک پڑھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے پتا چلا کہ ایک بار اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا پر درودِ پاک پڑھنے سے جو دس درجے بلند ہوتے ہیں' اس کا مطلب کیا ہے۔۔۔۔۔ اور' درودِ پاک کو وظیفہ بنانے والے ثواب کی کتنی لوٹ مار کر رہے ہیں۔

دل کا فتویٰ

میں نے اپنی تحریر کو ابتدا ہی میں کہیں بے ربطی پر مبنی قرار دیا تھا' دیکھ لیجیے' میں اُسے نبھاتا آ رہا تھا۔ بات جس طرف چل نکلتی ہے' اُسے ادھر ہی چلنے دیتا ہوں۔ نوک پلک درست کرنے کا اہتمام بھی نہیں کر رہا۔ البتہ یہ حقیقت آپ محسوس کریں گے کہ اس میں تصنّع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے یُوں یاد پڑتا ہے کہ میں حرمین شریفین کی زیارت کے حوالے سے ان اہلِ نیاز کا ذکر کر رہا تھا جو اپنے دل کے فتوے کے مطابق کوئی عمل کر کے مزا لیتے ہیں۔ حرمِ کعبہ میں تو دل کا فتویٰ کہیں کہیں اور کبھی کبھی چلتا ہے کیونکہ وہاں عمل متعین ہے'۔۔۔۔۔۔۔۔ وہاں پریڈ کرنا پڑتی ہے۔ یہاں چلنا ہے' یہاں سلام کرنا ہے' یہاں بوسہ دینا ہے' یہاں

گڑگڑا کر دُعا مانگنا ہے' یہاں دو نفل ضروری ہیں' یہاں بھاگ دوڑ کرنا ہے۔ بلکہ اس سے پہلے کے اعمال بھی طے شدہ ہیں۔ لیکن مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں بڑی حد تک محبّت کا جذبہ اور دل کا فتویٰ چلتا ہے۔ "بڑی حد تک" کے الفاظ میں نے یوں استعمال کیے ہیں کہ اب وہاں محبّت کے اظہار' یا محبت و عقیدت کے اظہار کے بعض طریقوں پر قدغنیں عاید ہیں اور اہلِ عشق بھی وہاں دبے دبے سے دکھائی دیتے ہیں' خود سوچیے ہمارا گنبدِ نُور کو دیکھنا بھی قابلِ اعتراض ٹھہرا تھا۔

محبّت کے ڈھکے چھُپے انداز

پھر بھی وہاں محبّت کے دبے دبے سے' چھُپے چھُپے سے' کئی انداز سامنے ضرور آتے ہیں۔ میں پہلی زیارت کے موقع پر کئی مرتبہ منبرِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے نفل پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے پایا جا سکتا تھا۔ تین چار مرتبہ ایسا ہُوا کہ اور کوئی امیدوار نہیں تھا اور میں اکیلا ایک ایک دو دو انچ سرک سرک کر دو دو نفل وہاں یوں ادا کرتا رہا کہ منبر شریف کی پہلی سیڑھی سے نیچے کا سارا حصّہ میری پیشانی کو معراج بخشتا رہے۔ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر شریف پر قدم مبارک رکھنے سے پہلے یہیں اِس مقام کو اپنے قدموں سے منور و مُتبرّک فرماتے ہوں گے اور میں اِس خیال سے کہ شاید سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہاں قدم رنجہ فرمایا ہو' یا شاید اس جگہ سے دو انچ دائیں یا ایک انچ بائیں قدمِ میمنت لزوم رکھے ہوں گے'۔۔۔۔۔۔۔۔ میں وہاں پیشانی رکھتا رہا۔

ایک بار نیّت باندھنے کے موقع پر میں نے دیکھا کہ ایک لمبے سے صاحب' منبر شریف کے ساتھ بائیں طرف کوئی ایک ڈیڑھ فٹ پیچھے نماز قائم کیے ہوئے ہیں۔ جب میری نگاہ اٹھی تو وہ صاحب سجدے میں تھے اور ان کی پیٹھ دائیں بائیں جُنبش سی کرتی دکھائی دی۔ مجھے کچھ اچھا نہ لگا کہ نماز میں خضوع خشوع کے بجائے یہ صاحب

عجیب انداز میں جُنبش کر رہے ہیں لیکن فوراً ہی میں نے یہ سوچ کر کہ اُنھیں کوئی تکلیف ہو گی' اللہ تعالیٰ انھیں صحت عطا کرے' اپنے نفل شروع کر دیے۔ ایک مرتبہ پھر سلام پھیر کر کھڑا ہوا تو نگاہ اُدھر اٹھ گئی۔ وہ پھر سجدے میں تھے اور اپنے دایاں کندھا منبر شریف کے ساتھ رگڑ کر مزا لے رہے تھے۔

قدمین میں نعت خوانی

دوسری مرتبہ ہم تینوں دوست قدمین شریفین میں حاضر تھے۔ ایک نماز کے بعد ہدیۂ درود و سلام پیش کر رہے تھے کہ میرے دائیں ہاتھ کھڑے ایک صاحب نے نعت پڑھنا شروع کر دی۔ فیاض و رفیق ذرا آگے تھے۔ میں بالکل پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا ہو کر درُود و سلام پیش کرنے کی جسارت کرتا تھا۔ ان صاحب نے اردو نعت پڑھنا شروع کی' ترنّم سے' بالکل دبی زبان سے بھی نہیں۔ آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ آس پاس کے سات آٹھ افراد مستفید ہو سکتے تھے۔ وہاں چونکہ چند برس پہلے درجنوں اہلِ محبّت نعت پڑھتے اور سُنتے پکڑے گئے تھے اور انھیں ملک بدر کر دیا تھا یعنی پاکستان بھیج دیا گیا تھا' اس لیے وہاں یہ جرأت کوئی نہیں کرتا۔ لیکن جن صاحب نے اُس دن نعت پڑھنا شروع کی' انھوں نے اِدھر اُدھر تاکا جھانکا بھی نہیں۔ اور یوں لگتا تھا کہ انھیں اِس "جُرم" کی پاداش میں پکڑا جانا بھی منظور تھا کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کی طرف ذرا بھی توجّہ دیے بغیر ایک کے بعد ایک' کئی نعتیں پڑھ گئے۔ پھر انھوں نے "یا نبی سلام علیک" پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے دسیوں اشعار پڑھ ڈالے۔ فیاض و رفیق بھی اپنی جگہ سے کچھ پیچھے ہٹ کر ہمارے قریب آ گئے تھے اور اس سارے عمل میں مزا لیتے رہے۔ اس انداز میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں کھڑا ہو کر نعت سُننے اور سلام سننے اور ہمارے زیرِ لب پڑھنے کا جو لُطف ہمیں آیا' اس کا ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس نعت خواں کو سرُور

دیکھ نے کس طرح گھیرے میں لے رکھا ہو گا۔

زیاراتِ مدینہ

دونوں مرتبہ کی حاضری میں، مجھے زیارات کے حوالے سے بہت سی تشنگیوں کی معیت حاصل رہی۔ مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں موجود مقدس ستونوں تک کی زیارت کو میں نے موخر کر رکھا ہے۔ دونوں بار یہی جی چاہا کہ قدمین سے نہ اٹھوں اور میں نے اس خواہش کو بیشتر اوقات میں اپنا دوست رکھا۔ اب کے کسی موقع پر خاص اس جگہ کے بارے میں کسی سے معلوم کروں گا کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کا گھر کہاں تھا جہاں کے لیے میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی اونٹنی قصویٰ مامور تھی۔ اور یہ گھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس جہانِ آب و گِل میں تشریف ارزانی سے کوئی ایک ہزار برس پہلے خاص ان پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

پہلا مسلمان

شاہِ یمن، تبعِ اوّل حمیری نے یثرب پر حملہ کیا اور اس کو اپنا زیرِ تسلّط علاقہ سمجھ کر اپنے بیٹے کو یہاں چھوڑا اور خود عراق کی طرف چلا گیا۔ اہلِ یثرب نے تبع کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ وہ جھلا کر واپس آیا اور یثرب والوں سے لڑائی شروع کر دی۔ اہلِ یثرب کی وجہ سے یہ جنگ، دنیا کی انوکھی جنگ بن گئی کہ دن بھر تلواریں چلتیں، نیزے مارے جاتے، تیر برستے اور شام کو جنگ بند ہو جانے کے بعد یثرب والے تبع کے لشکریوں کو دعوت کھلاتے۔ دن بھر اسلحہ چلتا، شام کو دیگیں چڑھتیں۔ تبع، شریف آدمی تھا۔ بڑا پریشان ہُوا کہ کیسے لوگ ہیں جو نہ لڑائی میں کمزوری دکھاتے ہیں، نہ مہمان

نوازی میں۔ اُس نے انہیں صلح کی پیشکش کی۔ جو دو آدمی یثرب والوں کی طرف سے صلح کی بات چیت کے لیے آئے، اُن میں سے ایک کتب و صحائفِ سماویہ کا عالم تھا۔ اس نے تبع سے کہا کہ آپ نے اچھا کیا، جو صلح پر آمادہ ہو گئے، ورنہ آپ اس شہر پر حکمرانی کے خواب کی تعبیر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تبع کو حیرت بھی ہوئی، غصہ بھی آیا کہ ان عجیب لوگوں کی ہر بات نرالی ہے۔ اس نے دلیل طلب کی تو اُس عالم نے کہا کہ یہاں حکمرانی صرف پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہو گی، یہی ہماری کتابیں بتاتی ہیں۔

تبع اس بات سے بہت خوش ہوا، اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعریف میں شعر کہے۔ اس خوشخبری سے اپنے لشکریوں کو اور خاص طور سے ان چار سو عالموں کو مطلع کرنے میں اس نے عجلت دکھائی جنہیں وہ دین کی باتیں سیکھنے کے لیے لشکر کے ساتھ رکھتا تھا۔ عالموں کو جب معلوم ہوا کہ یہ خطۂ زمین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے قیام ہو گا، انہوں نے تبع سے گزارش کی کہ ان کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ وہ تو حضور خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر پھرتے تھے۔ اب یہیں رہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ تبع نے ان کے لیے چار سو مکانات یثرب میں بنوا دیے اور ایک مکان آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تعمیر کروا دیا۔ وہاں بڑے عالم کو ٹھہرایا، اُسے ایک خط لکھ کے دیا کہ وہ خود، یا اگر وہ اتنا خوش قسمت ثابت نہ ہو تو اس کی اولاد یکے بعد دیگرے اس خط کی حفاظت کریں اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ضرور پہنچائیں۔

خط میں تبع نے لکھا تھا کہ وہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ پر ایمان لاتا ہے اور گزارش کرتا ہے کہ آپ قیامت کے دن اسے بھول نہ جائیں کہ وہ آپ کا پہلا اُمتی ہے۔ یہ عریضہ قریباً ایک ہزار سال کے بعد اس عالم کی اولاد ابو ایوبؓ انصاری تک پہنچا۔ انہوں نے یہ خط ابو یعلیٰ کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

بھجوایا۔ جب وہ بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضور محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اُسے فرمایا، ابو لیلیٰ خط لے آئے ہو؟ لاؤ مجھے دو۔ اُس نے عرض کی، میں آپ سے اور آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں، صُورت بھی آپ کی کاہنوں جیسی نہیں ہے، پھر آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا اور کیسے جان لیا کہ میں کس مقصد کے لیے آیا ہوں۔ اس پر حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے صرف اتنا فرمایا کہ اللہ کا رسول ہوں۔ پھر عریضہ کھولا، پڑھا اور فرمایا۔ "مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ۔ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ"۔

پھر ------ یثرب کو مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا درجہ عطا فرماتے ہوئے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر، یعنی اپنے پہلے اُمتی تبعِ اول حُمیری کے اسی مقصد کے لیے بنوائے ہوئے گھر میں کیوں نہ ٹھہرتے۔ اونٹنی قصویٰ اسی لیے تو مامور تھی کہ یہیں رُکے۔

زیرِ نظر تحریر

پتا نہیں، سفرنامہ نویسی میں اس انداز کی باتوں کی گنجائش ہوتی ہے یا نہیں۔ لیکن میں کوئی سفرنامہ لکھ بھی رہا ہوں یا نہیں، یہ سوال میں کس سے کروں، اپنے ہوش سے یا اپنی بیہوشی سے۔ میرے دوست پروفیسر خلیل احمد نُوری مجھے کہا کرتے ہیں، رسالہ "نعت" آپ کا اپنا ہے۔ اس میں جو چاہے، لکھیں، جیسے چاہیں اُسے پیش کریں ------ سو، یہ تحریر بھی میری اپنی ہے۔ آپ اسے سفرنامہ نہ سمجھیں۔ آپ اسے کسی کھاتے میں بھی نہ ڈالیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیارتِ حرمین شریفین سے بھی میرا مقصد حظ اٹھانا تھا، اس تحریر سے بھی یہی کچھ مراد ہے۔ کسی واقعے کا کوئی جواز ادبی نقطۂ نگاہ سے بنتا ہے یا نہیں، میرا مسئلہ نہیں۔ کیونکہ میں کوئی ادبی شہ پارہ تخلیق کرنے بھی نہیں جا رہا ہوں۔

ابو ایوبؓ نے ایک رات میں کتنی منزلیں ماریں

لیکن میں اپنے کسی نہ کسی سفر میں اُس جگہ کو ضرور دیکھنا چاہتا ہوں، جہاں تُبع نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ایک گھر تعمیر کروایا تھا اور جہاں حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خوش آمدید کہا تھا۔ یہ درست ہے کہ وہ اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ماننے پر مجبور تھے، اس لیے انہیں نیچے کی منزل میں ٹھہرایا اور خود اوپر کی منزل میں ٹکے رہے۔ نیند تو اُس رات انہیں ویسے بھی کیا آتی۔ کائنات جو ان کے گھر آ گئی تھی، آقائے کائنات علیہ السلام الصلوٰۃ جو وہاں تشریف لے آئے تھے۔ لیکن یہ احساس کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیچے ہیں اور میں اُوپر، انہیں اور اُن کے گھر والوں کو حرکت کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ تمام رات ایک دیوار کے ساتھ لگ کر گزار دی اور صبح گزارشِ احوال کر کے اپنی منوائی۔

میرے سفر میں کیا رکھا ہے، چھوڑیں اس کی باتیں۔ میرے احساس کی پاکیزگی کے ساتھ سفر کریں اور اندازہ فرمائیں کہ ابو ایوبؓ کی بیوی، ان کے بچّے اور وہ خود اُس رات نہ سو کر، دیوار کے ساتھ لگے، عظمت کے سفر طے کر گئے تھے، محبت کی کتنی منزلیں ماری تھیں۔ احادیث کے مطالعے سے مجھے تو یہی کچھ ملا ہے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے انداز صحابۂ کرامؓ ہی سے سیکھنے چاہئیں، انھی سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ جنھوں نے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی آنکھیں دیکھی تھیں، اُن سے تربیت حاصل کی تھی، انھوں نے تعظیم و توقیر کی وادیوں میں کیا کیا کارنامے نہ انجام دیے تھے۔

ابو محذورہؓ کی لٹ

حنین سے واپسی پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایک جگہ ٹھہرے۔ قریب سے دس کافر اذان کی نقل کرتے ہوئے گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے انہیں پکڑ لیا گیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا' تم میں سے ایک شخص خوش آواز تھا' وہ کون ہے۔ ایک کی طرف اشارہ کیا گیا' نام تھا ابو محذورہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نو کو جانے دیا اور اس کے متعلق فرمایا کہ یہ نہیں جائے گا۔ پھر اسے فرمایا کہ اذان پڑھو۔ وہ کافر' پہلے تو مذاق اڑا رہا تھا' اب کیا کرے۔ کہنے لگا' مجھے نہیں آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میرے ساتھ ساتھ کہو۔ وہ کہتا رہا۔ اذان پوری ہوئی تو اس کی گمراہی کی مدّت بھی پوری ہو چکی تھی۔ ابو محذورہؓ ایمان لے آئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی پیشانی پر اور سر کے اگلے حصے پر اپنا دستِ مبارک رکھا۔ یہ وہی ابو محذورہؓ تھے جن کے سامنے کے بالوں کی ایک لٹ زمین تک جاتی تھی اور وہ بال نہیں ترشواتے تھے۔ سوال پر انہوں نے بتایا کہ میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے ان بالوں کو چھوا تھا' میں انہیں کیسے ترشوا دوں۔

سیّدہ فاطمہؓ کی سبیل

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے زیارات نہیں کیں۔ بس آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یہ گزارش کیے جا رہا ہوں کہ جب تک میں یہ ساری زیارتیں نہ کر لوں' جب تک مدینۂ طیبہ میں اور مکۂ مکرمہ میں موجود ان تمام آثار کو جو یوں تو محفوظ نہیں بھی ہیں' اپنے دل و جاں میں محفوظ نہ کر لوں' مجھے بار بار حاضری کی توفیق ملتی رہے۔ بئرِ عثمانؓ میں نے نہیں دیکھا۔ البتّہ پہلی مرتبہ نُور محمد جرال نے ہمیں وہ جگہ دکھائی جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری صاحبزادی سیّدہ فاطمۃُ الزہرا رضی اللہ عنہا حاجیوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔ ہمیں ہمارے رہنما

نے بتایا کہ عام لوگوں کو چونکہ اس مقام کا علم نہیں ہے اس لیے اسے مسمار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ہم وہاں پہنچے تو کنوئیں کے گرد موجود چار دیواری تو اب نہیں تھی۔ کنوئیں کے پاس نالی سی بنی ہوئی تھی جس میں پانی ڈالا جاتا تھا اور وہ نیچے ہی نیچے سے دوسری طرف کی دیوار کے باہر لگی ٹونٹیوں میں پہنچ جاتا تھا۔ اب ان ٹونٹیوں کے پاس ایک واٹر کُولر پڑا تھا لیکن اس کُولر کو بھی لوگوں کی پہنچ سے دُور کر دیا گیا تھا۔

جرال صاحب نے ہمیں بتایا کہ ایک مدنی خاتونؒ نے سیّدہ فاطمہؓ کی یاد میں یہ واٹر کُولر یہاں رکھوایا تھا اور لوگ اس سے پانی پیتے تھے لیکن اس محترم خاتون کے انتقال کے بعد یہ کولر بھی قید کر دیا گیا ہے۔ اس مقام سے قریب ایک چھوٹا سا گیراج تھا۔ گیراج یُوں کہ وہاں ایک سٹیشن ویگن قسم کی گاڑی کھڑی تھی اور وہاں صرف اتنی ہی جگہ تھی۔ اپنے رہنما کے کہنے پر ہم اس کے پیچھے گاڑی اور دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے ذرا آگے ہوئے تو سامنے محراب کا نشان بنا ہوا تھا۔ جرال نے بتایا کہ یہاں حاجی نماز پڑھا کرتے تھے۔

جنّتُ البقیع

زیارات کا ایک وسیع سلسلہ تو جنّتُ البقیع کی صُورت میں ہے اور لوگ اس قبرستان کے گیٹ کے قریب کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہاں موجود کچھ لوگ زائرین کو بتاتے ہیں کہ فلاں قبر فلاں صحابیؓ یا صحابیہؓ کی ہے اور فلاں قبر اہلِ بیتؓ کی ہے۔ میں اس گیٹ کی طرف تو نہیں گیا' جب موقع ملتا تھا' شارعِ علی ابن ابی طالبؓ سے جنت البقیع کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور دوسری طرف کی سڑک جو شاید کسی سعودی شاہ کے نام پر ہے اور جس پر ہسپتال ہے' ٹیلی فون بُوتھ ہیں' وہاں تک ساتھ ساتھ آتا تھا۔ ذہن پر معلومات اپنا اثر دکھاتی تھیں' صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار (رضی اللہ عنہم)

کی یاد اپنا رنگ بکھیرتی تھی۔ قبروں کی طرف دیکھتا تو محض سرھانے کی طرف نشان سا نظر آتا' کچھ پتا نہ چلتا کہ ہمارا کون بڑا کہاں آسودہ ہے۔ نظروں پر دُھندلاہٹ چھا جاتی اور سب قبریں گڈمڈ سی ہونے لگتیں۔ والدہ صاحبہ اور خالہ جان کو ایک مرتبہ تیلی فون بُوتھوں کے سامنے لے گیا تو وہ قبورِ اہل بیتؓ و صحابہؓ کا یہ حال دیکھ کر' مزارات کو مُنہدم کرنے کے مُرتکبین کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ان کی عجیب و غریب کیفیت دیکھ کر مجھے شک ہوا کہ کہیں یہ شدتِ گریہ سے ماتم نہ کرنے لگیں۔

سعودیوں کے محل

اگر سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا مزار منہدم نہ کیا گیا ہوتا تو شورش کاشمیری معرکۃُ الآرا نظم نہ کہتے۔ یہ نہ لکھتے کہ قبروں کا نام و نشان مٹانے والوں کو ایسی کوئی حدیث پاک کیوں یاد نہیں آتی جس میں محلوں میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہنا بے جواز ہو۔ محلوں سے یاد آیا کہ حرمِ کعبہ کے بابِ عبدُالعزیز کے باہر اتنا اونچا محل طبیعت پر بہت گراں گزرتا ہے۔ کعبۃُ اللہ اس سے بہت نیچا ہے' کعبۃُ اللہ کے مینار بھی بہت نیچے ہیں۔ اور' محل اونچا ہے' بہت اونچا۔

پہلے مدنی مسلمان

میں جنّتُ البقیع کے گیٹ کی طرف گیا نہیں' اور دوسری اطراف میں کوئی یہ بتانے والا نہیں تھا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مزارِ مبارک کہاں تھا' اور دوسرے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کہاں آسُودۂ خواب ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں مجھے کچھ تھوڑا بہت علم ضرور تھا۔ ایک دن اکیلے میں جنّتُ البقیع کے تین اطراف ساتھ ساتھ گھومتے ہوئے مجھے حضرت اسعد بن زرارہؓ بہت یاد آئے۔ یہ اُن چھ یثربی جوانوں میں شامل تھے جو

دسویں سالِ نبوت کے حج کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور دوسرے سال بیعتِ عقبۂ اولیٰ میں شامل تھے اور بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے لیے مدنی مسلمانوں کو مکہ معظمہ لانے بلکہ اس سے پہلے اوس کے دو اور خزرج کے پانچ جوانوں کے اسلام لانے کا باعث بھی بنے تھے۔ یثرب میں یہ اسلام کے پہلے مبلغ تھے اور حضرت مُصعب بن عُمیرؓ کی اور ان کی مشترکہ کوششوں سے بیعتِ عقبۂ کبریٰ کی نوبت آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے رفقا کی مدینۂ پاک کو ہجرت ہوئی تھی۔ حضرت اسعدؓ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے دوران میں فوت ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدینۂ طیّبہ میں تشریف آوری کے بعد سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی نمازِ جنازہ انہی کی پڑھائی تھی۔ ان کے ساتھ جو پانچ مزید خزرجی نوجوان سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے' ان میں سے ایک غزوۂ بدر میں' ایک اُحد میں اور ایک جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

مجھے علم نہیں کہ کون سی قبر مبارک حضرت اسعد بن زرارہؓ کی ہے' لیکن میں قریبًا ہر بار جنّتُ البقیع کے قریب سے گزرتے ہوئے اُنھیں یاد ضرور کرتا تھا کہ وہ پہلے مدنی مسلمان تھے جنھوں نے اسلام کی تبلیغ اور حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینۂ منورہ میں قیام کے لیے ھ میں بڑی تگ و دو کی۔

ہماری مائیں

پھر جنّتُ البقیع میں اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جنھوں نے اپنا حجرہ تو اپنے صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دے دیا اور خود بعد میں یہاں سامنے قیام فرما ہیں۔ اور' اُمّہات المؤمنین میں سے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا اور سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب یہیں ہیں۔ ہماری مائیں۔

ماؤں کے حوالے سے میرا نظریہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبیِ کریم

رئوف ورحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بیویوں کو مسلمانوں کی مائیں قرار دے دیا تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی کسی ماں کے بارے میں کوئی بات کرے۔ میں تو اپنی بچت اسی میں سمجھتا ہوں کہ ماؤں کو زیرِ گفتگو ہی نہ لاؤں۔ ماں تو واجبُ الاحترام ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب صحابۂ کرامؓ کے لیے اللہ تعالیٰ نے "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی بندے سے راضی ہو جانا بندے کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے' اس کے بعد اس کی تو ضرورت ہی نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے راضی ہونے کا ذکر بھی کرے۔ یہ تو محض اپنے بندے کا مرتبہ بڑھانے کی بات ہے۔ اور جن کا مرتبہ خالق و مالک بڑھائے' کم از کم میں تو اُن کے بارے میں کوئی بات کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ میں اپنا بچاؤ اسی میں دیکھتا ہوں کہ صحابۂ کرامؓ کو موضوعِ گفتگو نہ بناؤں۔ صرف انھیں سلیوٹ کرنا ہی اچھا ہے' سب کو۔

خدا کی ہستی کو ماننا

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' سے کوئی مُلحد بحث کرنے لگا۔ وہ خدا کی ہستی کا قائل نہیں تھا۔ بابِ مدینۃُ العلمؓ اس کے لیے دلائل کے انبار لگاتے رہے لیکن بحث تو شاید اسی کا نام ہے کہ ذہن کے دریچوں کو بند کر لو اور زبان کے دروازے کھول لو' وہ مانتا ہی نہیں تھا۔ پھر خلیفۂ راشدؓ نے اُسے سمجھایا کہ دیکھو' دو ہی صورتیں ہیں۔ یا خدا ہے یا خدا نہیں ہے' اگر خدا نہیں ہے تو میرا اور تمہارا انجام ایک سا ہو گا۔ کوئی ہمیں پوچھنے والا نہیں ہو گا کہ تم خدا کے قائل کیوں نہیں اور میں خدا کا قائل کیوں ہُوں۔ لیکن اگر خدا ہُوا تو میں بچ جاؤں گا' تم مارے جاؤ گے۔ اس طرح عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو مان لو۔

حضرت ابو طالبؓ کا ایمان

میں تو اسی کُلیے کے تحت حضرت ابوطالبؓ کے ایمان کا بھی قائل ہوں۔ اگر حضرت ابوطالبؓ ایمان پر نہ ہوئے تو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یقیناً معاف فرما دیں گے کہ میں اُن کے چچا جان کی اُن کے ساتھ محبت' شفقت' سرپرستی کے تمام واقعات کے پیشِ نظر ہی انھیں صاحبِ ایمان سمجھتا رہا ہُوں۔ لیکن اگر حضرت حضرت ابوطالبؓ مومن ہوئے اور میں انھیں کافر سمجھتا رہا۔ اور حضور سرورِ ہر دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پوچھا کہ میں تمام واقعات کو جانتے ہوئے بھی اُنھیں کافر گردانے کی جسارت کیوں کرتا رہا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ اس لیے میرا اپنا بچاؤ اسی میں ہے کہ میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کا قائل رہوں' ------- اور ہُوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ماں

حضرت ابو طالبؓ کے ذکر میں مجھے حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد یاد آئیں' اُن کا مزار بھی جنّتُ البقیع میں ہے۔ حضرت علیؓ کی والدۂ محترمہ کو سیّد و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ماں کہا تھا'۔ جب اُن کے مزار مبارک کا خیال آتا ہے تو یاد ساتھ دینے لگتی ہے کہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے خود اُن کی قبر میں لیٹے اور پھر انھیں دفن کیا تھا۔ یعنی جہاں حضرت ابو طالبؓ کی اہلیہ' حضرت علیؓ کی ماں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پرورش کرنے والی فاطمہؓ اس وقت خوابیدہ ہیں' وہ جگہ وہ ہے جہاں تھوڑی دیر کے لیے ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا بھی لیٹے تھے۔

سیرت نگاروں کے کمالات

اس خاندان کے ساتھ کئی سیرت نگاروں نے بہت اچھا سلوک نہیں کیا۔ سیرت کی قریباً ہر کتاب میں حضرت ابو طالبؓ کو کثیر العیال اور قلیل المال کہا جاتا ہے۔ قلیل المال وہ کتنے تھے اور کیوں ہوئے' یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ملنا چاہیے۔ کثیر

الاولاد انہیں کیوں کہا جاتا ہے اور اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ہاں پرورش پائی۔ بعض نے تو یہ تک لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد سالن پکا کر صحن میں رکھ دیا کرتی تھیں اور سب بچے اس پر پل پڑتے تھے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف بیٹھے یا کھڑے رہتے اور بعد میں کھانا نوش فرماتے جو حضرت علیؓ کی والدہ اُن کے لیے پہلے سے الگ نکال لیتی تھیں۔ ایک صاحب نے تو یہ دُور فلطنی بھی چلائی کہ بچے اتنے تھے کہ ان کی ناک پونچھنا مشکل تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو طالبؓ کے صرف چھ بچے تھے۔ ان میں سے بھی حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۲۹ برس، حضرت جعفرؓ ۱۹ برس اور حضرت عقیلؓ ۹ برس چھوٹے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاں پرورش پا رہے تھے، صرف طالبؔ موجود تھے یا دو بہنوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ہو سکتی ہیں۔ اس طرح ایک، دو یا زیادہ سے زیادہ تین بچوں کے والد کو کسی خاص وجہ سے کثیر العیال قرار دینا عجیب و غریب جسارت ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ ان سیرت نگاروں میں سے کوئی آدمی حضرت علی المرتضیٰؓ کو کثیر العیال نہیں گردانتا جن کے ۳۶/۳۷ بچے تھے۔ اگر میں حضرت فاطمہؓ بنت اسد کی پائنتی کھڑا ہو سکتا تو ان سے مؤدبانہ استفسار کرتا کہ امّت کے جن مشاہیر نے کثیر العیالی کی یہ فرضی تصویریں بنائی ہیں، اُن کے بارے میں ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویّہ کیا ہے۔ جن جن خواتین کو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کہا، اُن کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہم احتیاط کو کیوں نہیں اپناتے۔ حتیٰ کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ ایمنؓ کے بارے میں لکھ دیا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دودھ پلایا تھا۔ حالانکہ حضرت اُمّ ایمنؓ برکہ کو میرے سرکار علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ اپنے نکاح کے موقع پر آزاد فرمایا، اُس کے بعد اُن کی پہلی شادی ہوئی جس سے ایمن پیدا ہوئے اور جس کی وجہ سے یہ برکہؓ، ام ایمن کہلائیں۔

عرب عورتوں کے نام

عربوں میں یہ عجیب رواج رہا ہے کہ لڑکی پیدا ہوتی تو اس کا کوئی نام رکھ دیتے جو اُس کی شادی اور شادی کے بعد پہلے بچے کی پیدائش تک رہتا۔ پھر وہ اس بچے کی ماں کہلانے لگتیں اور پہلا نام گویا بھلا دیا جاتا۔ ایک بہادر خاتون جنہیں میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں اپنے قریب رہنے کی بشارت دی، جنگِ اُحُد میں وہ جس جاں سپاری اور ازخود رفتگی سے لڑیں، اس پر شجاعت اور دلیری کی کتابوں کے تمام ابواب نثار۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ اُمِّ عمارہؓ ہیں۔ لیکن اگر کوئی نُسیبہ لکھ دے یا کہہ دے تو شاید ہم سمجھ ہی نہ سکیں کہ یہ اُنہی کا نام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رضاعت

ہاں، تو میں اُس عظیم خاتون کا ذکر کر رہا تھا جسے میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ماں" کہا تو ہمارے لائق صد احترام بزرگوں نے انہیں رضاعی ماں قرار دے دیا حالانکہ اس کا کسی طرح جواز نہیں نکلتا۔ پھر کائنات کے آقا و مولا علیہ السلام والثنا نے ایک بار فرمایا کہ میں بنی سُلیم کی تین عواتک کا بیٹا ہوں۔ تو ہمارے جلیل القدر سیرت نگاروں نے اس پر بھی چشمِ تصوّر سے کام لیا اور قرار دے دیا کہ بنی سُلیم کی عاتکہ نام کی تین خواتین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔ "سیرت حلبیہ" میں تو باقاعدہ کہانی ترتیب دے دی گئی کہ بنی سلیم کی تین باکرہ لڑکیوں نے یہ کوشش کی اور انہیں اس میں کامیابی ہوئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بنی سُلیم کی تین عواتک میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دادیاں ہیں۔۔۔۔۔۔ اور، سیرت نگاروں کی اس قسم کی باتوں پر، تحقیق و تفحص کے ہتھیاروں سے، میری بیٹی شہناز کوثر اپنی کتاب "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن" میں حملہ کر چکی ہے۔

مقابرِ جنّتُ البقیع

جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہیں' حضرت ابو سعید خدریؓ ہیں' حضرت عثمان بن مظعونؓ ہیں' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں' حضرت خنیس بن حذافہؓ ہیں' حضرت ابوسفیان بن حارثؓ ہیں۔ آپ کو پتا ہے' یہ ابوسفیان بن حارثؓ ابو البنات' کہلاتے تھے۔ ان کے بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ غزوۂ اُحُد میں لڑتے لڑتے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھر جاتے تھے اور بیٹیوں کو دیکھ آتے تھے۔ پھر جب حضور محبوبِ خدائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لے گئے تو یہ گھر نہیں گئے' لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ تو جنت البقیع میں حضرت عقیل بن ابو طالبؓ ہیں' عبداللہ بن جعفرؓ ذوالجناحین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھیاںؓ ہیں۔ حضرت نافعؒ ہیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ بھی یہیں قریب ہیں۔ حضرت عباسؓ ہیں' حضرت امام حسنؓ ہیں' زینبؓ' رقیہؓ' فاطمہؓ اور ابراہیمؓ ہیں۔ حضرت خدیجۃُ الکبریٰؓ اور حضرت میمونہؓ کے سوا باقی اُمّہات المؤمنینؓ ہیں........ کاش' کوئی مجھے ایک ایک قبر پر لے جا کر یہ بتاتا کہ یہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فلاں نسبت آرام فرما رہی ہے اور میں اشک ہائے عقیدت کے نذرانے پیش کرتا مگر مجھے تو شمس الحق شاہ صاحب نے مروا دیا۔ میں نے فیاض حسین چشتی اور رفیق احمد خاں کو بتا دیا تھا لیکن انہیں یا تو میری بات کا یقین نہیں آیا' یا میرے شمس الحق شاہ صاحب ہی معتبر نہیں ٹھہرے۔ اس لیے انہیں تو کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سیّدہ فاطمۃُ الزہرا کہاں تشریف فرما ہیں اور دیگر اہلِ بیت اور صحابہ کی کس جگہ سے نسبت بتائی جاتی ہے۔

خواہشیں

آدمی کو بعض خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں' بعض پوری نہیں ہوتیں۔ میری یہ

خواہش کہ میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان نسبتوں سے لپٹی مٹی کو سلام کروں' ابھی تو پوری نہیں ہوئی لیکن یقین ہے کہ پوری ہو گی۔ گیٹ سے نہیں' کسی اور راستے سے۔ ان شاء اللہ .... ہم تین دوست اکتوبر ۱۹۹۱ء کے آغاز میں مکہ معظمہ میں تھے تو تین دن' رات کے وقت بارش ہوتی رہی۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کعبۃُ اللہ کے پاس ہوں اور بارش ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ اس خواہش کی پذیرائی یوں ہوئی کہ ایک دن کعبۃ اللہ کے پاس ترشح کا مزا لیا۔ مدینۂ پاک آئے تو فیاض حسین کہنے لگے' دعا کریں' خداوندِ کریم مدینۂ طیبہ میں بھی بارش کا منظر دکھا دے۔ دوسرے تیسرے دن ایک نماز کے لیے ہم ہوٹل سے نکلے تو اکا دکا بوندیں پڑ رہی تھیں۔ حرم پاک قریب ہی تھا' وہاں تک تو یہی منظر رہا۔ ہم حرم پاک میں داخل ہوئے تو بوندیں ختم ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا' بارش نہیں ہونا تھی' ہماری گزارش کو قبول فرما لیا گیا۔

عُمر اور تقویٰ

پہلی مرتبہ تو مکہ معظمہ میں ہم رات کعبۃ اللہ کے ارد گرد عبادت میں گزارتے تھے اور صبح سات کے بعد قیام گاہ پر آ کر سو جاتے تھے۔ دوسری مرتبہ ساتھیوں نے کہا کہ تہجد کے موقع پر حرم کعبہ میں داخل ہُوا کریں گے۔ فیاض حسین نیک آدمی ہیں' اُن کی ڈیوٹی لگی کہ وہ جگا دیا کریں اور ہم نہا دھو کر حرم شریف جا پہنچیں۔ گھڑی ان کے سرہانے رکھ دی جاتی۔ ہم نذیر اینڈ کمپنی کے مہمان تھے۔ شیخ نذیر احمد صاحب کی ہدایت پر کمپنی کے کارندوں نے ہم سے جس محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا' اس پر ان کے لیے اور شیخ صاحب کے لیے دُعا گو رہنا تو اب معمول بن گیا ہے۔ کمرے میں دو بیڈ تھے۔ میں عُمر میں اپنے ساتھیوں سے بڑا تھا' وہ تقویٰ میں مجھ سے بڑے تھے' اس لیے مُصر ہوئے کہ میں بیڈ پر سوؤں' وہ فرش پر پڑے قالین پر لیٹیں گے۔ لیکن ہم تینوں فرش ہی پر گدے ڈال لیتے تھے۔

الارم اور دھماکا

رات کو دیر سے سونا اور تہجد کے وقت جاگنا خاصا مسئلہ تھا۔ ایک چھوٹا سا ٹائم پیس جو میں نے پہلے سفر میں مدینۂ طیبہ پہنچتے ہی خرید لیا تھا' اس بار بھی ہمارا ساتھی تھا' اور چونکہ سیل کے زور سے چلتا تھا اس لیے جب تک بند نہ کیا جائے' بجتا ہی چلا جاتا تھا۔ فیاض حسین خود پہلے اٹھتے' پھر ہمیں اٹھاتے۔ لیکن ایک دن انھوں نے نیند کی جھونک میں ٹائم پیس بند کیا اور سو گئے۔ پھر اتنے زور کا دھماکا ہوا کہ ہم تینوں ایک سیکنڈ میں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ میرا خیال تھا کہ دھماکا ائرکنڈیشنر میں ہوا ہے' فیاض صاحب کا خیال تھا' بادل گرجا ہے۔ رفیق صاحب چپ تھے' شاید سمجھتے ہوں' صور پھونکا ہے۔ بہر حال' چند منٹ کی بحث تمحیص کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ جو کچھ بھی تھا' ہمیں تہجد کے وقت حرم میں پہنچانا چاہتا تھا۔

شہرِ سرکار (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی ایک رات فیاض حسین نے گھڑی کا الارم بند کیا اور سو گئے۔ پھر مجھے یوں لگا' جیسے کسی نے جگا دیا ہے۔ اٹھا تو اذان ہو رہی تھی۔ میں نے ساتھیوں کو اٹھایا کہ فجر کی اذان ہو گئی ہے۔ جلدی جلدی وضو کیا' بھاگم بھاگ مسجدِ نبویؐ میں پہنچے تو نمازِ فجر کی گہما گہمی نہ پائی۔ گھڑی دیکھی تو تہجد کا وقت تھا۔ معلوم ہوا' جو اذان میں نے سنی تھی' وہ تہجد کی تھی۔ یوں اس بار بھی محرومی سے بچ گئے۔

کسرِ نفسی کے باوجود سُنّت کی خلاف ورزی

حرمِ کعبہ کے باہر' صبح کے اوقات میں زیادہ اور بعد میں بھی کبھی کبھی کبوتر آتے ہیں اور لوگ انھیں دانہ ڈالتے ہیں۔ کئی دوستوں عزیزوں نے اس مقصد کے لیے پیسے دے رکھے تھے' ان پیسوں کا حساب بھی رفیق احمد خاں کرتے تھے اور دانہ بھی عام طور پر وہی کبوتروں کے آگے ڈالتے رہے۔ مجھے تو ان ساتھیوں نے مکہ معظمہ میں

عمرے پہ عمرہ کرا کے تھکا رکھا تھا۔ یہ دونوں دھان پان' میرا جسم فربہی مائل۔ کان ذرا میرے قریب لائیے! "فربہی مائل" اس لیے کہا ہے کہ کسرِ نفسی کر رہا ہوں' ورنہ اب تو موٹا ہی ہو گیا ہوں اور میرا پیٹ اب اس حد میں نہیں رہا جس پر پیٹ پہ پتھر باندھنے کی سنت پر عمل کیا جا سکے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّت کو تو یار لوگوں نے خاصا محدود کر لیا ہے۔ بس داڑھی بڑھا لیجیے' اس کے بعد پیٹ تو پیٹ' ہاتھوں تک کو جہاں تک چاہے' پھیلاتے رہیے' کسی سُنّت کی خلاف ورزی' کسی فرض سے دشمنی کا الزام آپ پر نہیں آئے گا۔

بکری اور بھینس کے بچوں میں دوستی

میں پہلی بار حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گیا تھا تو بھی پیٹ پہ پتھر باندھنے کے قابل تو نہ تھا لیکن پیروں کے ساتھ پتھر بندھے ہوئے محسوس نہیں ہوتے تھے۔ دو سال کے بعد دوبارہ گیا تو ان دو برسوں میں پیدل چلنا چھوڑ رکھا تھا' اس لیے کچھ اور مائل بہ فربہی ہو گیا اور وہاں مجھے میرے ساتھیوں نے عمرے پہ عمرے کرانا شروع کر دیا۔ آخر آخر میں بہت چیخا چلایا کہ بھائیو' اب میری ٹانگیں جواب دے گئی ہیں' میں اب "ہیلتھی گیمز" کھیلتا ہوں۔ آپ نے شاید سنا ہو' یا شاید نہ بھی سنا ہو کہ ایک بکری کے بچے اور بھینس کے بچے (کٹے) میں دوستی ہو گئی لیکن نبھ نہ سکی۔ کیونکہ بکری کا بچہ اچھلنا کودنا چاہتا تھا اور کٹا کہتا تھا کہ ہم تو "ہیلتھی گیمز" کھیلتے ہیں اور اس کھیل میں ٹانگیں نہیں' کان استعمال ہوتے ہیں۔

پتلون کا نیکر ہو جانا

میں چاہتا تھا کہ بیٹھ کر درود پاک پڑھوں' نوافل' قرآن پاک پڑھوں۔ لیکن

ساتھیوں کی بے وقت محبت نے میرے پاؤں زخمی کر دیے۔ ایک صاحب پتلون سلوا کر لائے۔ گھر آ کر دیکھا تو وہ کوئی ایک ڈیڑھ انچ لمبی تھی۔ انہیں صبح پہن کر جانا تھا۔ بیوی سے بولے۔ بھلیے لوک! پتلون کو نیچے سے انچ ڈیڑھ انچ کاٹ دے۔ خاتون درزی کے چناؤ کے حوالے سے صاحب کی بے عقلی کا ماتم کرنے لگیں۔ انہوں نے بیٹی سے کہا۔ بولی' بچے کی طبیعت خراب ہے' نیز فلاں فلاں کام ہے' اس لیے مشکل ہے۔ بہو سے گزارش کی تو منہ دوسری طرف کر کے بڑبڑائی' بیوی اور بیٹی نے جواب دے دیا ہے تو میرے پیچھے پڑ گئے ہیں' جیسے مجھے کوئی کام ہی نہ ہو۔ بیچارے بہت پریشان ہوئے۔ آخر خود ہی کہیں سے قینچی ڈھونڈی اور غصے میں ایک ڈیڑھ کے بجائے دو انچ کاٹ دی۔ رات کو سونے سے پہلے بیوی کو خیال آیا کہ اس نے اپنے مجازی خدا کو ناراض کر کے اچھا نہیں کیا' اس نے بھی قینچی چلا دی۔ بیٹی کو بھی پچھتاوا ہوا اور یہ پچھتاوا رنگ لایا۔ بہو نے بھی سوچا کہ کام ہی کتنا تھا' اگر سسر صاحب نے بیٹے سے شکایت کر دی تو شکر رنجی پیدا ہو گی' اس نے بھی محبت کا مظاہرہ فرما دیا۔ نتیجہ یہ کہ صبح جب صاحب نے پتلون پہننا چاہی تو وہ غائب تھی اور اس کی جگہ نیکر موجود تھی۔

زخمی پاؤں

رفیق احمد خاں اور فیاض حسین چشتی نظامی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں' بلکہ کچھ زیادہ ہی کرتے ہیں اور ان کی محبت کے اس وفور نے مجھے نہ غارِ ثور تک پہنچنے دیا' نہ مدینۂ طیبہ میں سکون و اطمینان سے چلنے دیا۔ پہلی بار حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں' مجھے یہ سعادت ملتی رہی تھی کہ میں ہر روز کم از کم ایک بار ریاض الجنّۃ میں دو نفل پڑھتا تھا' محرابُ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کئی نفل پڑھتا تھا اور نمازِ مغرب کے بعد کم از کم دو چکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر مبارک کے اردگرد لگاتا تھا۔ لیکن اس بار وہ "میٹھی کھینڈ" جو مجھے دو دن ساتھیوں نے مکہ مکرمہ میں نہ کھیلنے دی' وہ مدینۂ طیبہ میں مسلسل نو دن کھیلنی پڑی' اور میں کئی سعادتوں سے محروم رہا۔

طیور و حشرات کی ایک نمائندہ

اب کچھ یاد نہیں ہے کہ پہلی مرتبہ' (یا دوسری بار) لیکن یہ یاد ہے کہ ایک دن قدمین میں ایک تتلی نظر آئی' کئی بار۔ حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحوش و طیور و حشرات کے عوالم کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پتا نہیں' وہ تتلی کیا گزارش لے کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں' کہاں سے حاضر آئی تھی اور کیا کیا لے کر گئی ہو گی۔

قیام و سلام میں مصروف لوگ

ولّہ کمپنی حرمین میں صفائی کی ذمہ دار ہے۔ ولّہ کا مطلب ہے لُنجان' ایک خوبصورت لمبی ٹونٹی والی چینک کہہ لیجیے۔ ولّہ کمپنی کے کارکنوں کو دیکھ کر حسرت آتی ہے کہ ان کی جگہ ہمیں یہ سعادت کیوں نہ ملی۔ اس کمپنی کا ایک بنگالی نوجوان مجھے روز قدمین میں نظر آتا تھا۔ میں نے اس سے قدمین میں حاضری کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا "امارا ڈیوٹی ادھر اے"۔ لیکن یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے لہجے سے مسرت و انبساط کے جو سوتے پھوٹتے دکھائی دیے' ان کا مزا میں آج تک لیتا ہوں۔ کیرالا کا ایک نوجوان بڑے خضوع خشوع سے قدمین میں کھڑا ہو کر' ہاتھ باندھے سلام عرض کیا کرتا تھا۔ یہ بھی صفائی کی کمپنی کا ملازم تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کبھی اس کی ڈیوٹی حرمِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی اور حصے میں بھی لگی ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ ان دنوں بھی قدمین میں سلام عرض کرنے کے لیے آتا تھا یا نہیں۔ اس پر اس نوجوان نے جن نگاہوں سے مجھے دیکھا' وہ مجھے نہیں بھولتیں۔ اس بے زبانی کا واضح الفاظ میں مطلب یہ تھا کہ بے وقوف' اس سعادت کے لیے قدمین کے سوا کہاں جا سکتا ہوں۔ اللہ اکبر!

محبت کرنے والے

حرم سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں محبت اور عقیدت کے عجیب عجیب مناظر نظر آتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ جہاں میرے آقا و مولا' کائنات کے آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثنا) تشریف فرما ہیں' اُس مقام پر بھی محبت اور عقیدت اپنی انتہا کو نہ ملے تو کہاں ملے گی۔ لیکن میں وہاں سوچتا تھا' یہاں بھی سوچتا ہوں کہ محبت سے حاضر ہونے والے کسی ایک آدمی کا دل دُکھانے پر سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پتا نہیں' کتنے ناراض ہوتے ہوں گے۔ اور ان کی بارگاہِ عالم پناہ میں تو محبت کرنے والے ہی آتے ہیں اور محبت سے جالی کو چُومنا یا مَس کرنا چاہتے ہیں یا دعا کرنے کی طلب رکھتے ہیں یا قریب سے زیارت کی خواہش پاتے ہیں۔

میرے نزدیک تو عظمت کا معیار ہی محبت ہے۔ ایمان کی بنیاد تو ہے ہی کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ میں سمجھتا ہوں' کوئی مومن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر شدید محبت کرتا ہے' اُتنا ہی بڑا ہے۔ میں کوئی اڑھائی سال تک حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے پہلو میں واقع (جہاں اب پارکنگ بن گئی ہے) گورنمنٹ ہائی سکول' بھاٹی گیٹ میں نعتیہ مشاعرہ کرواتا رہا۔ پہلے مشاعرے کی صدارت احسان دانش نے کی' دوسرے کی حفیظ تائبؔ نے۔ مشاعرے میں صرف شاعر ہی آتے تھے۔ مشاعرے کے اختتام پر چائے پانی سے ان کی تواضع کی جاتی تھی۔ میں نے وقتاً فوقتاً دوستوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس مشاعرے کو پبلک مشاعرہ بنانا چاہتا ہوں جس میں عوام الناس بھی شامل ہوں۔

بڑا کون' شاعر یا سامعین

لاہور میں ۱۹۶۵ء سے پہلے پبلک مشاعروں کا رواج تھا۔ ان مشاعروں میں غزل کا دَور دَورہ ہوتا تھا اور کافی عرصے تک میرے عزیز دوست سید تنویر الاسلام حسنی اور میں' ان مشاعروں کو سُننے اور شاعروں کو ہُوٹ کرتے رہے۔ ۱۹۶۵ء کے بعد پبلک مشاعروں کا غلغلہ ختم ہو گیا اور اب نعتیہ یا غزلیہ' جو بھی مشاعرے ہوتے ہیں' ان میں صرف شاعر ہی شریک ہوتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے نعتیہ مشاعرے کو پبلک مشاعرہ بناؤں لیکن دِقت یہ تھی کہ میں ہر مہینے شعرا اور سامعین کے چائے پانی کے بندوبست کے لیے مالی سکت نہیں پاتا تھا۔ ایک دوست نے مشورہ دیا کہ میں پبلک مشاعرے کے اختتام پر صرف شعرائے کرام کو چائے پلا دیا کروں' سامعین کو نہ پوچھوں ------ تو میں کانپ گیا۔ میں نے انھیں کہا کہ شاعر تو شعر پڑھتے ہوئے داد وصول کرتا ہے یا داد کی خواہش میں کلام سناتا ہے تو گویا اپنا ثواب کم کر لیتا ہے۔ لیکن جو لوگ صرف نعتیں سننے کے لیے آئیں گے' انھیں تو کوئی لالچ نہیں ہو گا' جو تو خالصتاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لیے اور اپنی روح و جاں کو سُرور و کیف کی لذتّوں سے معمور کرنے کی خاطر تشریف لائیں گے' وہ زیادہ ثواب کمائیں گے۔ اور' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اخلاص سے نعتیہ مشاعرے میں آنے والوں کو' اللہ اور رسولِ خدا (جل جلالہ' و صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ محبت کرنے والوں کو تو میں چائے نہ پلاؤں اور اُن کو پلاؤں جو داد پا کر نفس کو کسی حد تک موٹا کر لیتے ہیں۔

صحابہؓ کی محبت

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے مظاہر تو صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) ہی کی پاک زندگیوں سے ملتے ہیں۔ مجھے ان صحابیؓ کا اسم گرامی تو یاد نہیں ہے۔

ہیں جب انہوں نے کہا کہ میں اور حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عامُ الفیل میں پیدا ہوئے تھے' تو ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ میں سے بڑا کون ہے۔ کہا' بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' البتہ پیدا میں پہلے ہُوا تھا۔

صرف اُحد کے غزوے میں دیکھیں تو جب میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والثنا تنہا رہ گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا۔ دیکھا تو طلحہؓ بن عبید اللہ حفاظت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے بچھے ہوئے تھے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ابو بکرؓ' دیکھو' طلحہؓ نے جنت اپنے اوپر واجب کر لی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے' جس نے زندہ شہید کو دیکھنا ہو' طلحہؓ کو دیکھ لے۔ اسی غزوے میں زیاد ابنِ سکنؓ زخموں سے چُور چُور ہو گئے تو گرتے پڑتے حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی بارگاہ میں پہنچے' آپ کے قدموں پر سر رکھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اسی جنگ میں ابودجانہؓ نے اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لی اور اس تلوار کا حق ادا کر فرما دیا۔ اُمّ عمارہؓ نے دادِ شجاعت دی اور جنت میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا مُژدہ سُنا' ابو عبیدہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک میں کھُبے ہوئے خُود کی میخیں دانتوں سے نکالیں تو دو دانت شہید کروا کے عظمت حاصل کر لی ۔۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ دفتر تو نہ ختم ہونے والا ہے!

مدینۂ طیبہ میں موت کی تمنا

آپ کو علم ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دیارِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کتنی محبت اور کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ مدینۂ طیبہ سے باہر اس لیے نہیں جاتے تھے کہ کہیں اس شہرِ محبت سے باہر موت نہ آ جائے۔ حوائج ضروریہ کے لیے باہر جاتے تھے لیکن جاتے وقت آہستہ رو ہوتے کہ موت آئے تو مدینہ پاک

سے زیادہ دور نہ ہوں ۔۔۔۔۔۔ اور' واپسی پر جلدی کرتے۔ میں محسوس کیا کرتا تھا کہ نعت کہنے والے شاعر بڑے سیانے ہیں کہ مدینۂ طیبہ میں موت کی اور وہاں پر تدفین کی خواہش کرتے ہیں۔ میں اُن کی اس تمنا کو اُن کی محبت پر محمول کرتا تھا لیکن جب احادیثِ مقدسہ دیکھیں تو پتا چلا کہ یہ شاعر لوگ یہ مضمون باندھ کر لمبا ہاتھ مار رہے ہیں کیونکہ اُس شخص کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ضامن بن جاتے ہیں جو محبت سے مدینۂ پاک میں مرنے کی خواہش کرے' وہیں مرے اور وہیں دفن ہو۔ مولانا ضیاء الدین مدنیؒ قریباً ساٹھ برس مدینۂ پاک میں مقیم رہے اور صرف ایک بار اپنے شیخ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی وفات پر بریلی آئے' اور بس۔ اسی لیے اس شہرِ طاہر و مطہر سے کہیں نہیں جاتے تھے کہ کہیں کسی اور مقام پر موت نہ آ جائے۔

یہ مدینۃ الحبیب ہے

ایک صاحب' شاید محمد حسین نام ہے' ۱۹۱۲ء میں سفرِ حرمین پر گئے تھے۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوریؒ کے مرید تھے' انہوں نے اپنے سفرنامے میں پیر صاحب کے حوالے سے واقعہ بیان کیا تھا کہ ایک صاحب نے مدینۂ طیبہ سے دہی خریدا۔ استعمال کے بعد کہا دہی کھٹا تھا۔ اگلی رات ان کے کسی ملنے والے کے خواب میں حضور حبیبِ کبریا علیہ والتحیۃ والثنا تشریف لائے اور فرمایا کہ فلاں سے کہنا کہ اُس شہر میں چلے جاؤ' جہاں دہی میٹھا ملتا ہو۔ اس شہرِ مقدس کی کسی بھی چیز کو بُرا کہنے کی احادیثِ مبارکہ میں ممانعت ہے۔ ایک بار میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ سفر سے واپس مدینۂ طیبہ میں تشریف لائے۔ ایک صحابیؓ نے اپنی چادر سے منہ پر پڑا ہُوا گرد و غبار صاف کیا تو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میاں! یہ مدینہ کا غبار ہے' اس سے نفرت نہ کرو۔

میں پہلی بار مدینۂ پاک میں حاضر تھا۔ نُور محمد جرال' اللہ انہیں دین و دنیا کی

نعتوں سے مالا مال کرے' باب عبدالمجید کے باہر واقع بازار سے حرم نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی ایک تصویر خریدنے لگے۔ ان کے ایک دوست بھی وہیں تھے۔ انہوں نے نور محمد جرال سے کہا' دکاندار تصویر مہنگی دے رہا ہے۔ جرال نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے منع کیا اور آہستہ سے کہا' "یہ مدینہ ہے" بلد' بقولِ صالح عبداللہ مدینۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔

خوش نصیب اولاد

نور محمد جرال کے والد کی زیارت سے تمتع اور اُن کی باتوں سے استفادہ کیا تو دل مسرت ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ نُور محمد کی ولادت آٹھ بہنوں کے بعد ہوئی۔ ان کی ایک بہن حافظِ قرآن ہے۔ ایک بھائی طارق جرال ڈاکٹر ہیں۔ اُن کے والد صاحب نُور محمد سے بہت خوش تھے اور بار بار ان کا ذکر کرتے تھے' شفقتوں اور محبتوں کے جلو میں۔ پتہ چلا کہ ان کے تمام بھائی بہن محبتِ سرکارِ والا تبار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان کے والد اپنی سب اولاد سے خوش نظر آتے تھے۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ کسی کے والدین اُس پر خوش ہوں اور اُسے ہر وقت دعائیں دیتے ہوں۔

سعادت مندی

میرے اباجان راجا غلام محمد (اللہ کریم اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) آخری تین برس صاحبِ فراش رہے۔ ان کی تھوڑی بہت خدمت کی توفیق ملی۔ اگرچہ مجھ سے کہیں زیادہ' بہت زیادہ خدمت میرے جوان بیٹے اظہر محمود (ایڈیٹر ہفتہ وار "اخبارِ عام" لاہور) نے

کی۔ اور میں نے اپنے خالق و مالکِ حقیقی جلّ شانہ' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں بھی عرض کر دی ہے اور اپنے دوستوں عزیزوں کے سامنے بھی بار بار کہتا ہوں کہ اس نوجوان نے میرے اباجان کی جس طرح ٹوٹ کر خدمت کی ہے' اس کی وجہ سے اس نے میرے تمام حقوق پورے کر دیے ہیں اور اب میرا کوئی حق اس پر باقی نہیں رہا۔ لیکن اس کی سعادت مندی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے چھوٹے بھائی کی سعادت مندی ہے کہ آج کل وہ میرے چچا جان حکیم راجا محمد اقبال کی خدمت پر دل و جان سے لگے ہوئے ہیں۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ میں نے اپنے اباجان (علیہ الرحمہ) کی تو تھوڑی بہت خدمت کی لیکن والدہ صاحبہ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ ٹھیک ٹھاک تھیں۔ رات گیارہ بجے کے بعد ہم سب گھر والوں نے مل کر درودِ پاک پڑھا۔ اور صبح چار بجے سے پہلے انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ مگر مجھے خوشی یہ ہے کہ میرے والدین (اللہ کریم انہیں جنت میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت پر مامور فرمائے۔ آمین) مجھ سے خوش گئے۔

والدین کا حق

والدین کا حق کوئی شخص ادا کر ہی نہیں سکتا۔ کبھی پالنے والوں کا حق بھی ادا ہو سکا ہے! اس سے یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جو ربّ الارباب ہے' حقیقی پالنے والا ہے' اللہ کریم جل شانہ' اس کا حق کیسے ادا ہو گا! اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو جب وہ بوڑھے ہو جائیں' جھڑکنے اور ان کے آگے "ہوں" کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ان کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے والد یا والدہ یا دونوں کا بڑھاپا پایا تو یا وہ جنتی ہے' یا دوزخی ہے۔ یعنی اگر اس نے ان کی خدمت کرنے' انہیں نہ جھڑکنے' انہیں "ہوں" تک نہ کرنے اور ان کا حکم ماننے کی اَلوہی ہدایات عمل کیا تو وہ جنتی ہے۔ اگر ان کے

خائف یا تو حسی ہے۔ میں نے ایک حدیث پاک پڑھی کہ سرورِ علیہ والصلوۃ والسلام نے جنت' دوزخ کے ذکر میں اعراف کا تذکرہ فرمایا۔ کسی نے پوچھا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اعراف میں کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا' وہ شہید جو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہوئے اور اپنی جان فی سبیل اللہ قربان کر دی۔ اللہ اللہ! ماں باپ کا کتنا مقام ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے احسن عمل میں بھی والدین کی مرضی کو دخل دیا گیا ہے۔

ڈیکلریشن کے ذریعے دوستی

فیاض حسین چشتی نظامی ۱۹۸۸ء میں پہلی بار سفرِ حرمین کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔ اس وقت میرے آباجان (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیمار تھے۔ میں نے فیاض صاحب سے ان کی شفایابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ فیاض صاحب سے میری پہلی ملاقات عجیب حالات میں ہوئی۔ میں نے ماہنامہ "نعت" کے ڈیکلریشن کے لیے درخواست دے رکھی تھی۔ ان دنوں ڈیکلریشن کے حصول میں بڑی مشکلیں پیش آتی تھیں۔ مجھے کئی دوستوں نے کہا کہ اگر میں نے پولیس والوں کو کھلانے پلانے کا بندوبست نہ کیا تو ڈیکلریشن کا حصول ناممکن سمجھوں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو اپنے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رسالہ نکالنے کی اجازت طلب کی ہے اور انہی کے کرم سے توقع ہے' رشوت دینے کا تصور بھی میرے لیے سوہانِ روح ہے۔ میرا یہ جواب میرے ایمان کی بنیاد پر تھا لیکن پولیس والوں کے حسنِ کارکردگی کا ڈر بھی تھا' اس لیے میں نے ایک درخواست دی کہ میں ۱۸ ویں سکیل کا آفیسر ہوں اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے حوالے سے ایک سہ ماہی جریدے "فروزاں" کا ڈیکلریشن پہلے سے میرے نام ہے' اس لیے پولیس کے ذریعے میری انکوائری نہ کرائی جائے۔ وہ درخواست منظور ہوئی اور پنجاب پولیس سے رابطے کا کوئی خدشہ نہ رہا۔

ایک دن میں دفتر (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ) میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب دُبلے پتلے سے' سر کا کچھ حصہ بالوں کے بوجھ سے آزاد' تشریف لائے۔ اسلام علیکم۔ تعارف ہوا تو مجھ سے پوچھا کہ آپ کوئی رسالہ نکال رہے ہیں۔ میں نے بے ساختہ کہا کہ رسالہ وسالہ کیا ہے' بس نعت کے موضوع پر کچھ کام کرنے کا ارادہ ہے۔ پکارے' سُبحان اللہ!۔ میں نے پوچھا کہ یہ کلمۂ مسرت کیسا؟ تو اس ارادے پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسانے لگے۔ کہنے لگے' میں نیو شالامار کالونی (میرے گھر کے پتے پر) گیا تھا' وہاں سے یہاں کا پتہ ملا ہے تو یہاں آگیا ہوں۔ بس' پھر کیا تھا۔ میری اور ان کی دوستی ہو گئی۔ اور' اِن شاء اللہ یہ دوستی زندگی کی آخری سانسوں تک رہے گی۔ بلکہ ہو سکتا ہے' اس کے بعد تک اس کی توسیع ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جب یہ پہلی بار مدینۂ طیبہ کی زیارت اور بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضری کے شرف سے بہرہ یاب ہوئے تو جانتے تھے کہ میرے اباجان بہت علیل ہیں' صاحبِ فراش ہیں۔ میں نے دعا کی درخواست بھی کی تھی۔ عید الفطر پر واپس پہنچے تھے۔ انہوں نے اس سال دو عیدیں منائیں۔ ایک مدینۂ پاک میں' دوسری لاہور میں۔ اور' دو کیا' اس سال ان کا ہر دن عید کا دن اور ہر رات شبرات تھی کہ اپنے آقا و مولا (علیہ والصلوٰۃ والثنا) کے حضور حاضری کی دولت سے مشرف ہوئے تھے' پہلی بار۔

آقا اور بندے کا تعلق

واپس آئے' تو مجھے بتایا کہ کعبۃ اللہ کے سامنے بھی اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدمین شریفین کی جانب بھی میرے اباجان کی صحت کے لیے دعا کرتے رہے لیکن آخری بار اشارہ ہوا کہ وہ تو فوت ہو گئے ہیں اور یہ بھی کہ سرکار علیہ والصلوٰۃ والسلام ان کی تعزیت بھی ہو آئے ہیں' مجھ معصیت پیشہ کے لیے بھی ایک خوشخبری لائے' ایک بہت بڑی خوشخبری۔ اس نوید جانفزا کو سن کر میں نے لکھا تھا۔

"آقا آقا ہے اور بندہ بندہ
آقا کا در مرحمتوں اور نوازشوں کا مصدر ہے اور بندہ دریوزہ گری میں یکتا
بندہ جس کا کھاتا ہے' اُسی کا گاتا ہے
جس کے ٹکڑوں پر پلتا ہے' اُسی کی مدحت کی راہ چلتا ہے
آقا نے بندے کو کام سے لگا دیا' اسے ڈیوٹی سونپ دی
بندے نے اُسے نصب العین بنا لیا
نصب العین بلند تر ہو تو حوصلے بھی بلند رکھنا پڑتے ہیں
مقصود روشنی ہو تو آنکھوں کے دیے بھی جلانا ہوتے ہیں
بندے نے آنکھوں کو باوضو رکھا اور نمازِ عشق کی نیّت باندھ لی
یہی نمازِ عشق اس کی ڈیوٹی تھی' یہی اس کا فرض تھا
اس فرض کی اہمیت معلوم ہو جائے تو لمحات مٹھی میں آ جاتے ہیں' فاصلے سکڑ جاتے ہیں
اس فرض میں کوتاہی نہ ہو تو سارے ہدف پورے ہو جاتے ہیں
پھر آقا اپنے ایک پیارے کے ذریعے بندے کو نوید دیتے ہیں کہ اس کے احساسِ غلامی کو شرف پذیرائی دے دیا گیا ہے
بندہ اپنے آپے میں کیسے رہے
یہ سند سب سے بڑی ہے
سب سے بڑی سند ہے!"
(اداریہ ماہنامہ "نعت" لاہور۔ جون ۱۹۸۸ء)

گنبدِ انور کی تصویر

تسنیم الدین احمد نے ادارۂ معارفِ نعمانیہ کے کرتا دھرتا حافظ فیاض احمد سے

مجھے ایک تصویر لا کر دی۔ جس میں میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گنبدِ سبز کا کلوز اپ ہے اور مینارِ نور ساتھ نہیں ہے۔ میں نے اس تصویر سے سکیننگ کے ذریعے ماہنامہ "نعت" کے سرورق کے لیے پازیٹو بنوائے (یہ تصویر جولائی ۱۹۹۲ء کے شمارے کے سرورق پر چھپی) ایک ذرا بڑی تصویر تسنیم الدین احمد کے لیے بھی بنوائی گئی جسے وہ درودِ مدینہ کے ساتھ شائع کرنا چاہتے تھے۔ لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اصل تصویر اِدھر اُدھر ہو گئی۔ حافظ فیاض احمد' تسنیم صاحب سے مطالبہ کرتے تھے' وہ مجھ سے بات کرتے' میں پروسیس والوں سے بات کرتا۔ لیکن تصویر نہ ملی۔ جب پریشانی بڑھ گئی تو تصویر مل گئی۔ تصویر کیا ملی' حافظ فیاض احمد مل گئے۔ حافظ فیاض احمد کیا ملے' مجھے تو دنیا مل گئی۔ حافظ فیاض احمد بڑے صالح نوجوان ہیں' اہلِ محبت میں اُن کا بڑا مقام ہے۔ مجھے انہوں نے ایک ایسا تحفۂ بے بہا دیا ہے کہ میں اُن کے لیے تمام عمر دعا گو رہوں گا' اِن شاء اللہ۔

اسم بامسمّٰی فیّاض

پہلے تو انہوں نے گنبدِ خضرا کا روغن مجھے عنایت فرمایا۔ ہم نے درودِ پاک کی محفل میں اس کی زیارت کا اہتمام کیا۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا' حافظ صاحب نے مجھے گنبدِ پاک کا ایک ٹکڑا عطا فرما دیا' جس کے اوپر کے حصے پر روغن ہے۔ گزشتہ برس گنبدِ انور کا ایک حصّہ مرمت کیا گیا تو ایک بہت طویل عرصے تک وہاں رہنے والے بعض ٹکڑے نکالے گئے۔ اہلِ محبت نے چوری چھپے کچھ حصے بطور تبرک حاصل کر لیے۔ "چوری چھپے" یوں کہ علانیہ تو وہاں سے ایسی کوئی چیز لائی نہیں جا سکتی۔ شاید اسے شرک سمجھتے ہیں اور "شرک" کے واضح مخالف ہیں۔ پتا نہیں' کس سعادت بخت کو یہ تحفۂ بے بہا ملا' اس نے حافظ فیّاض سلمہٗ کو عطا کیا اور ------- حافظ صاحب نے وہ مجھے عطا فرما دیا۔ تسنیم الدین احمد کو حافظ صاحب نے بتایا کہ وہ کسی اشارے پر ایسا کر

رہے ہیں' ورنہ کون اِس دولت کو کسی اور کے سپرد کرتا ہے۔ اور' تسنیم الدین احمد نے مجھے یہ نوید سنا کر پاگل کر دیا۔ اللہ اللہ! میں اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کس کس احسان' کس کس کرم پر شکر کروں' اور کیسے؟

گنبدِ اخضر کا ایک حصّہ میرے گھر میں

روغن مبارک مجھے ملا' تو میں اسی کو اپنی خوش قسمتی کی انتہا سمجھتا ہوں۔ اب وہ ٹکڑا مل گیا جو حافظ صاحب نے اپنے لیے رکھا تھا۔ تو میں سوچتا ہوں کہ انوارِ الٰہیہ اور انوارِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مقامِ اتّصال پر جو گنبدِ سبز ہے' اُس کا ٹکڑا اب میرے گھر میں ہے۔ وہ مقامِ رفعت جو بے شُبہہ عرشِ اعظم سے افضل ہے' جہاں میرے آقا و مولا حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ خود' اپنی حیاتِ ظاہری کے ساتھ' بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں' اور چودہ سو برس سے تشریف فرما ہیں' ـــــ جہاں ستّر ہزار فرشتے صبح کو اور ستّر ہزار فرشتے شام کو حاضری دیتے ہیں' جہاں جُنیدؒ و بایزیدؒ نفس گم کردہ حاضر ہوتے ہیں' ـــــ جس کے نقش اور عکس کو دیکھ کر ہم دعا کرتے ہیں تو اپنی حاجتیں پوری کروا لیتے ہیں' اپنی گزارشیں منوا لیتے ہیں' اپنی تمناؤں کی روشن تعبیر پا لیتے ہیں' ـــــ جہاں حاضر ہو کر اپنی آنکھوں کو منوّر اور مُنیّر کرنا سب اہلِ ایمان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے' اور اُس مقام کو دیکھ کر جس کے اوپر ہمہ وقت انوارِ الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جس کے اندر انوارِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بھرے ہوئے ہیں' اہلِ ایمان اپنے ایمان کو جلا دیتے ہیں' اپنی محبت کے جذبات کو تھپک تھپک کر بھڑکاتے ہیں' ـــــ اُس مقامِ رفعت کا ایک ٹکڑا مجھے نصیب ہو گیا ہے۔ لوگو مجھے مبارک دو۔ دوستو' میرے ٹوٹے پھوٹے گھر کو فلک آشنا پاؤ۔ محبّو! میرے لیے دستِ بدعا ہو جاؤ کہ اللہ کریم اور اس کے محبوبِ کریم (علیہ والصلوٰۃ والتسلیم) مجھ پر کرم فرماتے ہوئے مجھے اس بڑی نعمت کے قابل بنا

دیں۔

تنکے کا رقص

شاہ عبدالغنی نیازی نے اپنی کتاب "حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ بریلی میں خانقاہِ نیازیہ گئے۔ صاحبِ سجّادہ نے انھیں' ان کی بیگم کو اور دیگر حاضرین کو باادب بیٹھ کر درودِ پاک پڑھنے کو کہا۔ اور گھاس کا ایک خشک تنکا پیالے میں پڑے شاید عرقِ گلاب میں ڈال دیا۔ پہلے تو وہ تنکا عرق پر تیرنے کے بجائے تہہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ جیسے وہ خشک اور مُردہ گھاس نہ ہو' زندہ اور وزنی چیز ہو۔ پھر صاحبِ سجادہ نے حاضرین کو زور زور سے درودِ پاک پڑھنے کو کہا تو وہ تنکا عرقِ گلاب کی اوپر کی سطح پر آ کر رقص کرنے لگا۔ درودِ پاک زیادہ زور سے پڑھا جانے لگا تو تنکے کے رقص میں شدت آ گئی۔ شاہ عبدالغنی نیازی لکھتے ہیں کہ پھر انہوں نے وہ تنکا میری چُٹکی میں دے دیا تو وہ اِس صُورت میں بھی رقص کرتا رہا۔ پھر دوبارہ پیالے میں ڈال دیا گیا۔ پھر درودِ پاک آہستہ آہستہ پڑھا جانے لگا تو رقص کی شدت ختم ہو گئی ـــــ مصنفِ کتاب نے لکھا ہے کہ کسی کو شک ہو تو خانقاہِ نیازیہ' بریلی میں اس تنکے کی زیارت کر سکتا ہے۔

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا لُطفِ بے پایاں

اس تنکے کی حقیقت تو کوئی کیا بتائے گا۔ واقعہ صاحبِ سجّادۂ خانقاہ نیازیہ نے یہ بتایا کہ کائنات کے آقا و مولا (علیہ والتحیۃ والثنا) کے وضو کا پانی جس گھاس پر پڑتا رہا' یہ تنکا اُسی گھاس کا ہے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ عائشہؓ کے مستقل مقیم ہوئے تو وہ گھاس سُوکھ گئی اور اُس کے تنکے اہلِ محبت صحابۂ کرامؓ نے تبرکاً

تقسیم کر لے۔ یہ تنکا اسی خُوش بخت گھاس کا ہے اور بظاہر خشک' سُوکھا ہوا اور مُردہ لگتا ہے' لیکن زندۂ جاوید ہے اور درود و سلام کی آواز پر اپنی حیاتِ جاوداں کا ثبوت دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ لوگو! میں سوچتا ہوں' اُس گھاس کا یہ عالم ہے' اُس کا یہ مقام ہے' وہ اِس انداز میں زندہ ہے تو جو گنبدِ اخضر چودہ سو برس سے خدا و مصطفٰی (جل جلالہ' وصلی اللہ علیہ وسلم) کے جلووں کی آماجگاہ ہے' اس کے اُس ٹکڑے کا مقام کیا ہو گا جو میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حافظ فیاض احمد سے مجھے دلوا دیا ہے۔ میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ مجھ پر اتنی عنایتیں ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتا' حافظ فیاض احمد کے اس کرم کو کیا کہوں جس پر میں نے ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ سوچا ہے' ان کے لطف کا شکریہ تو قیامت کے دن ادا کروں گا جب میں اسی نوازش پر اپنے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا کے سامنے جھکا ہُوا ہوں گا۔

دھوپ گنبد پر کیسے نچھاور ہوتی ہے

اب اِس پارۂ گنبد کو دیکھتا ہوں تو خود اپنی قسمت پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔ اُسے دیکھتا ہوں تو اس تصویر کو دیکھنے لگتا ہوں جو حافظ فیاض احمد ہی نے بڑی کر کے چھاپ دی ہے اور اس گنبد کے اوپر مُہرِ نبوت کا عکس بھی طبع کر دیا ہے۔ اس تصویر کو دیکھتا ہوں تو دیکھتا ہی رہتا ہوں اور چشمِ تصوّر سے مدینۂ پاک میں پہنچ جاتا ہوں۔ پہلی مرتبہ وہاں حاضری ہوئی تھی تو بابِ مجیدی سے حرمِ پاک میں داخل ہو کر جب آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کے سامنے پہنچا تھا تو سامنے جس طرح گنبدِ سبز دکھائی دیتا تھا' خصوصاً اُس وقت جب دائیں طرف سے سورج کی روشنی گنبدِ پاک پر اور اُس حصے پر پڑتی تھی جس پر چھت نہیں تھی' اس کو میں تو کیا کہ میں قلم کار بھی برائے نام ہی ہوں' کوئی بڑا سے بڑا ادیب' بہت بڑا لکھنے والا' بہت بولنے والا بھی بیان نہیں کر سکتا۔ لفاظی کر لیجیے' زبان و بیان کی خوبیوں اور علم الکلام کی

صلاحیتوں سے کام لیجیے' اگر اس احساس کو لفظوں کا روپ دیا جا سکے' اس تصویر کو تحریر کا جامہ پہنایا جا سکے تو یہ معجزہ ہو گا' اور معجزوں کا زمانہ گیا۔

اس منظر کی ایک نایاب تصویر

گزشتہ برس ہم دوست گئے تھے تو اس جگہ پر کچھ کام ہو رہا تھا۔ اب معلوم ہُوا ہے کہ وہاں چھتریاں لگا دی گئی ہیں جو بند بھی کی جا سکتی ہیں۔ چشمِ تصوّر سے کام لیتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے کہ وہاں جاؤں گا تو وہاں سے گنبدِ انور نظر بھی آئے گا یا نہیں؟ سورج وہاں اپنی روشنی نچھاور کرتا تھا' وہ تو یہ سعادت اب بھی حاصل کرتا ہو گا' یہ نظارہ ہمیں نصیب ہو گا یا نہیں؟ مجھے ایک دوست نے ایک چھوٹی سی تصویر دی جس میں یہ منظر قید تھا۔ منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہِ خاور جب دربارِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضر ہوتا ہے تو کتنا مؤدب دکھائی دیتا ہے' اپنی روشنی کے پھول گنبدِ پاک پر نثار کرتا ہے تو اپنی روشنی کو کیسے چار چاند لگا لیتا ہے۔ میں نے یہ تصویر اپنے دفتر میں لگائے ہوئے بورڈ پر لگا دی۔ حاجی نعیم کھوکھر (جیم پرنٹرز کے مالک' ماہنامہ "نعت" کے پرنٹر) آئے تو میں نے انہیں تصویر دکھا کر ان سے پوچھا کہ اس تصویر کا یہ منظر اگر پاکستان میں چھپ سکتا ہو تو اسے "نعت" کا سرورق بنائیں۔ انہوں نے وہ تصویر بورڈ سے اتار لی' اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا۔ معلوم ہوا کہ اس منظر کو محفوظ کرنے کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے' اس کا اہتمام پاکستان میں نہیں ہو سکتا۔

میں نے حاجی صاحب قبلہ سے تصویر واپس مانگی' وہ اِدھر اُدھر ہو گئی۔ پھر ملی' انہوں نے مجھے اطلاع دی' میں تصویر لینے ان کے پریس پہنچا۔ حاجی صاحب میرے سامنے تلاش کرتے رہے۔ تصویر نہیں ملی۔ آج وہ میرے دفتر تشریف لائے اور یہ نوید سنائی کہ تصویر مل گئی ہے۔ اب میں اس نشے میں ہوں کہ ان شاء اللہ کل ہی جا کر وہاں

سے تصویر حاصل کر لوں گا اور اُس کی دید سے روح و جاں کو مُستنیر و مستفیض کیا کروں گا۔

اہلِ محبت معاونینِ نعت

حاجی نعیم کھوکھر اہلِ محبت میں سے ہیں۔ جب سے "نعت" کا اجرا ہوا ہے' انہوں نے یہ کام محبت سے کیا ہے۔ اور ان کی یہ محبت اتنی بے لوث ہے کہ انہوں نے کبھی مجھ سے طباعت کا بل نہیں مانگا۔ مانگنا کیا ہے' وہ تو اس کو بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہ ذکر آئے تو رقت ان کا دامن تھام لیتی ہے۔ کبھی طباعت میں کوئی خامی رہ جائے تو یوں آبدیدہ ہو جاتے ہیں جیسے اپنے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جواب دہ ہوں۔ اللہ کریم ان کے درجات میں اضافہ کرے!

حاجی نعیم کھوکھر کے لیے' اور ماہنامہ "نعت" کے تمام خیر خواہوں کے لیے میں بارگاہِ الوُہیت و صمدیت میں اور بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں دونوں مرتبہ حاضری کے دوران دعا گو رہا' ان کی طرف سے نفل ادا کرتا رہا' ان کی طرف سے طواف کرتا رہا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدمین شریفین میں اُن کی دین و دنیا میں بہتری کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ مجھ عصیاں شعار کی گزارشات کو شرفِ پذیرائی و قبولیت سے نوازے۔ "نعت" کے یہ معاونین بہت کم ہیں۔ گنتی کے لوگ' جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت میں اس پرچے کے لیے کچھ کیا۔ اگر میرا یہ ایمان نہ ہو کہ میں اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کام کر رہا ہوں' تو دُنیوی لحاظ سے یہ اتنے گھاٹے کا سودا ہے کہ میں کبھی کا بھاگ گیا ہوتا' لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سرکارِ والا تبار علیہ الصلوٰۃ والثنا کی رحمت نے وہ حوصلہ بخشا ہے کہ میں نے اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پانچ برسوں میں اس جریدے کا کوئی شمارہ نہ لیٹ ہوا ہے' یہ غائب ہوا ہے۔ اور' اس کے لیے

میری دعاؤں کا پہلا ہدف میری بیگم ہیں' میرے بچے ہیں جو اس کام میں ہر طرح میرے معاون ہیں۔ اس معاونت میں ذرا کمی ہوتی تو یہ کام مجھ سے ایسے ہیچ میرز کے لیے ممکن نہ تھا۔

چھوٹا آدمی بڑا کیسے بن گیا

فروری ۱۹۸۲ء میں میرے دوسرے اُردو مجموعۂ نعت "حدیثِ شوق" کی تقریبِ رونمائی میں تقریر کرتے ہوئے مفکرِ ملت چودھری رفیق احمد باجوہ نے غزل اور نعت کا تقابل کیا تھا۔ اور اس ضمن میں کہا تھا کہ نعت کہہ کر راجا رشید محمود اپنی بیگم' میری بھابی کے سامنے بڑا آدمی ہو گیا ہے' اپنی بیٹی کے سامنے بڑا آدمی بن گیا ہے۔ میں بہت چھوٹا آدمی ہوں' ہر لحاظ سے۔ لیکن نعت گوئی نے مجھے واقعی یہ بڑائی بخش دی ہے کہ میری بیگم اور میرے بچے مجھ سے محبت کرتے ہیں' بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ماہنامہ "نعت" نے اس محبت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اب اس پرچے کے لیے یہ لوگ ہر قربانی کے لیے ہر وقت تیار نظر آتے ہیں۔ اور' ــــــــــــ میری بیگم بار بار مجھے کہتی ہیں کہ آپ ہر سال مدینۂ طیبہ ضرور جایا کریں۔ ہم کم کھا لیا کریں گے' اپنی محدود ضرورتوں کو مزید محدود کر لیں گے لیکن ہم سے یہ گوارا نہ ہو گا کہ آپ مدینۂ پاک پہنچنے کی خواہشوں سے صَرفِ نظر کریں۔ یہ مجھ پر میرے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کرم نہیں ہے کیا؟

مدینے جانے کے لیے کرائے کا معاملہ

دو بار مجھے یہ سعادت مل گئی۔ دو مرتبہ میری نگاہوں نے اس ارضِ مقدس کو چوما جس کے ایک شہر میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۵۳ برس سے رہے اور

دوسرے شہر میں چودہ سو برس سے تشریف فرما ہیں۔ اور 'اب تیسری مرتبہ کے لیے پر تول رہا ہوں۔ "پر تولنا" تو محاورہ ہے۔ اگر واقعی پر رکھتا تو اڑ کر جا پہنچتا۔ لیکن بے بال و پر ہوں۔ اور' وہ جو لطیفہ ہے کہ ایک قوال پارٹی نعت پیش کر رہی تھی۔ اسیرِ محبت امیر مینائی کا کلام تھا۔ شعر کا پہلا مصرع بار بار دُہرایا جا رہا تھا۔ "مدینے جاؤں' پھر آؤں' دوبارہ پھر جاؤں"۔ جب قوال آٹھ دس مرتبہ اسی مصرعے کو ادا کر چکا تو سامعین میں سے کسی خالی جیب والے نے پوچھا۔ بھئی! بار بار جانے کے لیے کرایہ بھی ہے؟

قوّال اور ذُوالفقار علی بُخاری

قوالوں اور نعت خوانوں کا ذکر آیا ہے تو ان کی "دریَنتنیوں" کی یاد بھی آتی ہے۔ قوالوں کا تو یہ لطیفہ' بلکہ "حقیقہ" مزیدار ہے کہ ریڈیو پاکستان پر قوال غالبؔ کی غزل گا رہے تھے۔ ڈائرکٹر جنرل ذوالفقار علی بخاری تھے۔ ان دنوں ریڈیو پر "لائیو پروگرام" ہوتا تھا۔ یعنی آج کی طرح ہر پروگرام پہلے سے ریکارڈ نہیں کر لیا جاتا تھا۔ ادھر گانے یا بولنے والا بولتا تھا اور اسی وقت نشر ہو جاتا تھا۔ قوال کے سامنے غزل کا پہلا مصرع تھا: "قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں۔" لیکن قوال صاحب "بہت پڑھا لکھا" ہونے کی وجہ سے مصرعے کے پہلے حصے کو "قید و حیات و بند و غم" پڑھ رہے تھے اور اسی کو بار بار دُہرا رہے تھے۔ اُدھر' ذوالفقار علی بخاری اپنے کمرے میں بیٹھے پروگرام سُن رہے تھے۔ فوراً ایک چٹ پر لکھا۔ باقی آدھا مصرع یوں پڑھیے "اصل میں چاروں ایک ہیں۔"

نعت خوان اور نعت کا انسائیکلوپیڈیا

نعت خوانوں کا ذکر کیجیے تو اُن کا مبلغِ علم بھی عجیب عجیب رنگ دکھاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی ایک نعت چار زبانوں میں ہے۔ "لمجگ راج کو تاج

تورے سر سوہے' تجھ کو شہِ دوسرا جانا۔" عام طور پر نعت خوان بلکہ بعض مولوی بھی "سوہے" کو "سو' ہے" پڑھتے ہیں۔ لاہور کے ایک مولوی صاحب یہ نعت گا کر پڑھتے ہوئے "تری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی" میں "جوت" کو "جُوت" پڑھتے ہیں اور اس کی تشریح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلینِ پاک کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی سال کچھ دوستوں نے مشہور نعت خواں محمد ثناء اللہ بٹ' جنہیں میں "نعت کا انسائیکلوپیڈیا" کہتا ہوں' کے اعزاز میں الحمرا میں ایک تقریب کی۔ میں نے اس میں جو پرچہ پڑھا' اس میں نعت خوانوں کی اس خصوصیت کا ذکر کیا کہ وہ معیاری کلام نہیں پڑھتے' یا شاعرانہ ہوتے ہوئے بھی گلے کے زور پر یا ترنم کے کل پر شاعر بنے پھرتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ نعت خوانوں کے سب گروپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

نعت خوانی' عبادت اور ڈرامہ

کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ نعت خوانی بہت بڑی عبادت ہے' یہ سُنّتِ صحابہؓ ہے لیکن یہ عبادت کرتے ہوئے نعت خوان حضرات عام طور پر (اِلّا ماشاء اللہ) مخیّر حضرات کی جیبوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اور اللہ معاف کرے' میں نے خود کچھ حضرات کو محفلِ نعت کے بعد گالی دے کر یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمیں بلا تو لیا تھا "خدمت" کیا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کہہ کر ہمیں یہ بتایا تھا کہ اگر خالق و مالک جلّ و علا اپنے محبوب بندے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذکر کو "اُن کے لیے" بلند کرنے کا اعلان فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لیے بلند کر دیا۔ ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خوشنودی کے لیے رفعت دی'۔۔۔۔۔۔ تو دراصل ہمیں یہ بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکرِ مبارک کے عمل میں خوشنودیٔ سرکار (علیہ الصلوٰۃ والثنا) کے علاوہ کوئی مطمحِ نظر نہ رکھنا۔ پھر جو لوگ داد لینے کے لیے نعت کہیں یا نعت پڑھیں اور جلبِ زر کی خاطر نعت خوانی کریں' وہ کیسی عبادت کر

رہے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اچھے کیسے گردانے جائیں گے۔ نعت خوانی کی محافل میں جو ڈرامے دیکھنے میں آتے ہیں' وہ تکلیف دہ ہیں۔ وہاں ایک ایک روپے کی پرچیاں لٹانے والے کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ اگر انہیں کوئی شعر بھا جاتا ہے تو جو کچھ ان کی جیب میں ہو لُٹا کیوں نہ دیں۔ "محبت" کا یہ مظاہرہ اتنا سیانا ہوتا ہے کہ پہلے سے ایک ایک روپے کے نوٹ جیب میں رکھتا ہے۔ ایک روپیہ نکال کر کبھی ایک کے پاس' کبھی دوسرے کے پاس جاتے ہیں' بعض صُورتوں میں ان لوگوں کو بھی ساتھ لیتے ہیں اور وہ ایک روپیہ یا سب کا ایک ایک روپیہ اٹھا کر نعت خواں پر نچھاور کرتے ہیں۔ میں ایسے کئی مخیّر حضرات سے واقف ہوں جو مخیّر مشہور ہونے اور لوگوں میں اپنی "محبت" کا مظاہرہ کرنے کے لیے تو سیکڑوں روپے لُٹا دیتے ہیں' نعت کی کسی کتاب پر پچاس روپے یا رسالہ "نعت" کے لیے پندرہ روپے نہیں نکال سکتے۔ اس سلسلے میں بعض حضرات کے کردار پر اپنی "خود نوشت" میں تفصیلی گفتگو کروں گا۔ موجودہ تحریر اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

خُدّامِ نعت کی نیّتیں

جو نعت خواں زیارتِ حرمین کے لیے جاتے ہیں' اُن میں سے کچھ کے ساتھ میری گفتگو ہوئی ہے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی کیفیتوں سے سرشاری کم نصیب ہوتی ہے۔ وہ وہاں برپا ہونے والی محافلِ نعت کا ذکر کرتے ہیں اور ان محفلوں کا ذکر بار بار کرتے ہیں جن سے اُنہیں زیادہ "یافت" ہوئی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک مشہور نعت خواں پہلی بار قرض لے کر عمرہ کرنے گئے تھے کہ واپس آتے ہی وہاں کی کمائی سے قرض کی رقم لوٹا دیں گے۔ اور واپس آ کر انہوں نے کار بھی خرید لی تھی۔ ایک آدمی اس خیال سے ایک کنُواں کھُدوا دے کہ لوگ اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھائیں گے اور کنوئیں میں روز ایک آدمی گر کر مر جایا

کرے۔ ایک اور شخص اس لیے کنُواں کھُدوا دے کہ یہاں لوگ گر کر مریں' لیکن وہاں سے لوگ پانی پی پی کر جائیں اور کوئی شخص گر کر نہ مرے ——— تو پہلے آدمی کو ثواب ہی ملے گا' اور دوسرے کے گناہوں ہی میں اضافہ ہو گا۔ کیونکہ اعمال کا دار و مدار تو نیتوں پر ہوتا ہے۔ کوئی شخص نعت کہے' نعت پڑھے' نعت چھاپے' محض خوشنودیٔ خدا و مصطفیٰ (جل و علا و علیہ الصلوٰۃ والثنا) کے لیے' اور اسے لاکھوں کروڑوں مل جائیں تو اسے ثواب ہی ملے گا۔ اور' کوئی فرد مال کمانے کے لیے نعت سے تعلق قائم کرے' تو وہ مال ہی بنائے گا' آخرت بگاڑ بیٹھے گا۔

مدینۂ طیّبہ میں محفلِ نعت

میں پہلی بار مدینۂ پاک گیا۔ میری وہاں آخری رات تھی۔ جمعرات کی رات۔ یہ تصوُّر جان کھائے جا رہے تھا کہ کل ہماری واپسی ہے۔ مدینۂ پاک جانے کا خیال جتنا دل خُوش کُن ہوتا ہے' وہاں سے واپسی کا تصوُّر اس سے کہیں زیادہ سُوہانِ روح ہوتا ہے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب ایک دوست آ گئے۔ چلیے' محفلِ نعت میں۔ اور' مجھے یہ سعادت مل گئی کہ میں مدینۂ انور کی محفلِ نعت میں حاضری کا شرف پا لوں۔ وہاں میں نے عجیب منظر دیکھا۔ میں تو ان لوگوں کے قدموں کی دُھول بننا چاہتا تھا' جو اہلِ محبت بھی ہیں اور میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہرِ اطہر میں رہتے بھی ہیں اور بارگاہ میں روز حاضری کی سعادتوں سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔ اور' ——— وہ حضرات' میری عزّت کرنا چاہتے تھے' اس لیے کہ میں ان کے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کا مدح خواں ہوں۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہاں زر و مال کی چکا چوند نہیں تھی' اخلاص و محبت وارفتگی کی روشنیاں تھیں۔ اللہ کریم اس محفل کے تمام شرکا کے درجات بلند فرمائے۔

مدینۂ پاک سے جُدا ہونا

مدینۃ الرسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے واپسی کا ذکر آیا تھا تو جو جو اہل محبت کرب کے ان لمحات کو بھگت چکے ہیں' وہی جانتے ہیں کہ کیا گزرتی ہے۔ آپ کسی دوسرے شہر جائیں' کسی دوسرے ملک پہنچیں' واپسی کا سوچتے ہی دل میں لڈو پھوٹنے لگتے ہیں۔ مسرت و انبساط کی کیفیت انسان کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ انسان خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ وہ اپنے گھر کو لوٹ رہا ہے۔ اپنے وقت کے سفر کے بعد وہ گھر والوں کو جا ملے گا۔ بال بچوں' ماں باپ' بہن بھائی' دوستوں عزیزوں کی رفاقت پھر اُسے مل سکے گی۔ مگر' مدینۂ منورہ میں جتنا عرصہ بھی رہیے' واپسی پر جذبات و احساسات مسرت کی وادیوں کی سیر نہیں کراتے' رنج' دکھ اور افسوس کی تنگنائیوں میں جا پھنساتے ہیں۔ مدینۂ پاک سے جُدا ہونا' بہرحال مدینۂ پاک سے جُدا ہونا ہے۔

مدینۂ منوّرہ سے واپسی کا کرب

پہلی بار واپسی کا سفر شروع ہُوا تو اماں جی (اللہ تعالیٰ' ان کو اور میرے اباجان کو جنت میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قُرب نصیب فرمائے) راستے بھر روتی رہیں۔ بار بار کہتی تھیں' اب دوبارہ کبھی آنا ہو گا یا نہیں؟ بیمار وہ تھیں' نور محمد جرال کی کاڑی میں مدینۂ طیبہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے ان کی سسکیاں' اُن کی بَین نما گفتگو' مجھے کبھی نہیں بھولے گی۔ گھر پہنچ کر' جتنا عرصہ وہ حیات رہیں' شاید اس میں کوئی دن بھی ایسا نہ گزرا ہو' جب انہوں نے شہرِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ذکر نہ کیا ہو' وہاں جانے کی حسرت کا اظہار نہ کیا ہو۔ دوسری بار ہم رخصت ہونے کے لیے آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہُوئے۔ وہاں سے چلے تو مُڑ مُڑ کر دیکھتے رہے۔ آنسو تو کس کے خشک ہوتے۔ میرا جی چاہتا تھا' میں رفیق احمد خاں

کے گلے لگ جاؤں اور اشکوں کے دریا بہا دوں' یہیں ٹوٹ پھوٹ جاؤں' مر جاؤں ــــــ واپس نہ جاؤں۔

عجیب ناگہانی مصیبت

مجھے اس کا سبب تو معلوم نہیں۔ معلوم ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ عجیب بات ہے' لیکن ہے' کہ جس دن (۲۶ نومبر ۱۹۸۹ء کو) ہم صبح لاہور پہنچے۔ دوپہر کے وقت میرے خالہ زاد بھائی آ گئے اور خالہ جان کو ڈسکہ (اپنے گھر) لے چلے۔ لاہور سٹیشن پر خالہ جان گر گئیں اور ان کا بازو ٹوٹ گیا۔ چند دن گزرے تو اماں جی گھر کے ایک کمرے میں گر گئیں اور اُن کا بھی بازو ٹوٹ گیا۔ شاید نیک لوگوں پر دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔ مجھ ایسے عصیاں شعار کو تو کچھ نہ ہُوا' اور یہ دونوں بزرگ خواتین جو پہلے ہی سے حقوقُ اللہ اور بڑی حد تک حقوقُ العباد کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں' اس ناگہانی مصیبت میں پھنس گئیں۔

درُود شریف کی کتابت اور کمپیوٹر

دوسری مرتبہ میں اکتوبر ۱۹۹۱ء میں گیا تھا۔ اب ۹۲ ہے۔ اور' میرے ذہن پر یہ حقیقت پُرتو فگن ہو گئی ہے کہ ۹۲ میرے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا کے اسمِ گرامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عدد ہے۔ "۹۲" کے حوالے سے میں اور میرے اہلِ خاندان کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ "۹۲" نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ میری بیٹی شہناز کوثر تو پہلے ہی سے لکھنے پڑھنے میں لگی ہوئی ہے اور ماہنامہ "نعت" کی ایڈیٹنگ میں بھی میری معاونت کرتی ہے۔ "۹۲" کا ایک تحفہ مجھے یہ ملا ہے کہ میرے بیٹے اظہر محمود پر بھی سیرت نگاری کی اہمیت واضح ہو گئی ہے اور وہ کام کر رہا ہے۔ اظہر

محمود کی نظر سے کہیں یہ حدیثِ پاک گزری کہ جو شخص کسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ گرامی کے حوالے سے درودِ پاک لکھتا ہے، جب تک وہ کتاب رہتی ہے، اُسے ثواب ملتا رہتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر وہ کاتب ہوتا تو سیرت یا نعت کی کوئی کتاب لکھتا اور اس سعادت سے بہرہ ور ہوتا۔ اُس کی اِس خواہش نے ۹۲ میں ایک تو یہ پہلو اختیار کیا کہ وہ خود سیرت پر کام کرنے لگا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ کمپیوٹر خرید لایا ہے اور نعت اور سیرت کا وہ کام جو خانوادۂ راجا غلام محمد (رحمہ اللہ) کر رہا ہے، اسے خود کمپوز کرنا چاہتا ہے۔ سفرِ حرمین کی میری یادداشتیں بھی خود کمپوز کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتا ہے کہ اگرچہ کسی ایک کمانڈ کے ذریعے "صلی اللہ علیہ وسلم" کمپوز ہو سکتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ ہر بار اس درودِ پاک کے تمام حروف خود کمپوز کیا کرے گا، تاکہ زیادہ سے زیادہ درود شریف لکھ بھی سکے اور ساتھ ساتھ پڑھتا بھی رہے۔ اس طرح "سواد" لیتا رہے اور جب تک یہ تحریر رہے گی، ثواب بھی ملتا رہے گا۔ میں نے ایک بار کہا تھا

نعت میں تو نہیں کہی صلے کی خاطر
واقعہ یہ ہے کہ سرکارؐ صلہ دیتے ہیں

مبسوط سیرتِ پاک لکھنے کا ارادہ

"۹۲" نے ہمیں یہ راہ بھی دکھا دی ہے کہ شہناز کوثر کی کتاب "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن" کے بعد ہم اس کام کو آپس میں بانٹ کر شروع کر دیں گے اور چار برسوں میں کم از کم بارہ جلدوں پر مشتمل ایک مبسوط سیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھیں گے جس میں سیرت نگاروں کے تسامحات کی نشان دہی بھی ہو گی۔ یہ کام اِن شاء اللہ شہناز، اظہر، اور مَیں کریں گے۔ یہ خانوادۂ راجا غلام محمد (علیہ الرحمہ) کا نذرانۂ عقیدت ہو گا، اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی بارگاہِ بیکس پناہ میں۔ اللہ کریم جل جلالہٗ ہمیں توفیق عطا فرمائے، ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے

اور ہمارے آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری اس کاوش کو قبول فرمالیں۔ آمین!

مکۂ مکرمہ میں دعائیں

شہناز کوثر نے "حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت" لکھی تھی۔ جب ہم غارِ حرا کے قریب پہنچے تو رفیق احمد خاں پر اس کتاب کی یاد نے سایہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کئی بار اس کا ذکر کیا، غارِ حرا پر حاضری کے دوران میں شہناز کوثر کے لیے دعائیں کیں۔ اور مجھے بتایا کہ آج انھیں بچی سب سے زیادہ یاد آ رہی ہے۔ ایک دن خانۂ کعبہ کے برآمدوں میں سے صفا مروہ کی طرف سے گزرتے ہوئے فیاض حسین چشتی نظامی نے ہم دونوں کو متوجہ کیا۔ ہم کعبہ کی طرف سجدہ ریز ہو گئے اور بعد میں فیاض حسین چشتی نے رو رو کر دعائیں مانگیں، اپنے لیے بھی، اپنے ملنے والوں عزیزوں کے لیے بھی، رفیق احمد خاں کے ایک گمشدہ محمد شفیق کے بیٹے کے لیے بھی۔

سیّدنا بلالؓ بن رباح

پہلی بار کی حاضری کے دنوں میں ایک دن میں اپنی مرحومہ والدہ صاحبہ اور خالہ جان کے ساتھ بابُ السلام کی طرف جا رہا تھا، برآمدوں میں سے۔ ایک دم، پہلی بار میری نظر پڑی تو ایک دروازے پر "بابِ بلالؓ" لکھا تھا۔ میں نے اپنی دونوں بزرگ ماؤں کو روکا، اس دروازے کی نسبت کی طرف توجّہ دلائی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی یاد میں دو نفل پڑھے۔ اس دوران میں رو رو کر میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ مجھے آقا بلالؓ بہت یاد آئے، اُن سے محبوبِ خداوندِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت یاد آئی۔ یہ واقعہ بھی یاد آیا کہ ایک بار حضرت بلالؓ نے اپنی بیگم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیثِ مبارک سُنائی۔ بیگم کہنے لگیں، پتا نہیں، آپ کو سرکار علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی بات پُوری طرح یاد بھی رہی ہے یا آپ اپنے الفاظ میں بات دُہرا رہے ہیں۔

ٹیڑھی اڑان

بیگمات کا حال تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک ولی اللہ کی بیگم اُن کے مقام کو نہیں مانتی تھیں' اور اُن کا مذاق اڑاتی رہتی تھیں۔ وہ اسی میں خوش تھے۔ لیکن ایک بار انہیں جانے کیا خیال آیا کہ وہ اڑتے ہوئے گھر کے اوپر سے گزرے۔ جب دروازے سے گھر میں داخل ہوئے تو بیگم بولیں' تم بھی بس ٹھیک' آج بنے پھرتے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے گھر کے اوپر سے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ولی اللہ ان جیسے ہوتے ہیں' تم جیسے نہیں۔ ان بزرگ نے بتایا کہ وہ تو میں نے ہی تمہیں اپنے تصرفات بتانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ کہنے لگیں' تمہی ہو گے۔ جبھی اتنے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔ کوئی ولی اللہ ہوتا تو سیدھا سیدھا' بڑی شان سے اُڑتا ہوا گزرتا۔

دو طرفہ محبت کی کیفیت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بیگم نے شک کا اظہار کیا تو بہت تلملائے۔ فوراً آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' واقعہ سنایا اور گزارش کی کہ خود چل کر ان کی بیگم کو یقین دلا دیں۔ اللہ اللہ! میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبوب بندے حضرت بلالؓ کے ساتھ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کی بیگم سے کہا' بلالؓ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کی بات پر شک نہ کیا کرو۔ ---- اسی لیے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضرت بلالؓ کو "سیدنا" کہتے تھے۔ ان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے ساتھ محبت سے آگاہ تھے۔

کعبۃ اللہ میں اللہ کا حکم بھُولنے کی خوشی

پہلی بار کی حاضری میں دو مواقع ایسے آئے جب میں نے سُرور و کیف کی انتہاؤں کو پا لیا' جب میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' میری روح تک رقص کر اُٹھی۔ ایک تو یہی موقع تھا' جب مجھے دفعتاً پہلی بار "بابِ بلالؓ" نظر آیا اور ہم نے حضرت بلالؓ کی یاد میں روتے سسکتے دو نفل ادا کیے' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی باتیں کیں' ان کی عظمت کے قصے بیان کیے اور سُنے' ان سے اپنی نسبت کے حوالے سے دعائیں کیں۔ اور دوسرا موقع یہ تھا کہ مجھے تیسرا عمرہ کرتے کرتے اچانک خیال آیا کہ مجھے چچا جان حکیم راجا محمد اقبال کامل کا عمرہ بھی کرنا چاہیے۔ ابا جان فوت ہو گئے تھے اور اُن کا عمرہ میں کر چکا تھا۔ اماں جی میرے ساتھ تھیں۔ چچا جان بیمار ہیں' چل پھر نہیں سکتے۔ میں اماں جی اور خالہ جان کے ساتھ ساتھ سعی میں مشغول تھا جب مجھے یہ خیال آیا۔ میں نے اماں جی سے بات کی۔ انہوں نے کہا کہ چچا جان کا عمرہ تو ضرور کرنا چاہیے۔ پہلے ہم اکٹھے چلتے تھے۔ اب میں نے انہیں اپنی رفتار جاری رکھنے کو کہا' پھر بتایا کہ عمرے کے اختتام پر وہ فلاں جگہ بیٹھیں' میں تیز رفتاری کے ساتھ جلد عمرہ ختم کر کے دوسرے عمرے کے لیے مسجد تنعیم جاتا ہوں۔ اب یاد نہیں کہ جب یہ خیال آیا' اس وقت کون سا چکر تھا۔ بہرحال' میں نے تیزی دکھانا شروع کی اور مجھے درود و سلام پڑھتے ہوئے ماں بھی یاد نہ رہی۔ پھر دوسرے' تیسرے ---- میں سبز لائٹوں کے درمیان مروہ کی طرف بھاگ رہا تھا کہ ایک دم سے مروہ کی طرف سے آنے والے راستے پر میری نگاہ اماں جی پر پڑی' اور ---- میں رک گیا۔ مجھے اماں جی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ میں نے انہیں اس سے پہلے' [illegible] سے سعی کے لیے چلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی لگن میں تھیں اور میں ان کی لگن میں مگن ہو کر اللہ کا حکم بھول گیا' مجھے تھوڑی دیر کے لیے یاد ہی نہ رہا کہ میں سعی میں ہوں' سبز لائٹوں کے درمیان بھاگ رہا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے رک گیا ہوں۔ اماں جی اور خالہ جان آگے چلی گئیں' میں اپنے آپ میں آیا اور ---- پھر دوڑنے لگا۔ میں نے جس رُخ سے کعبۃ اللہ میں اس صُورت میں انہیں دیکھا تھا وہ آج بھی میری

نگاہوں میں ہے۔ سائنس والوں نے خلا میں موجود اور محفوظ آوازوں تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ اگر آنکھوں میں محفوظ نظاروں تک رسائی ہو جائے تو میری اماں جی کی وہ تصویر سامنے آسکتی ہے۔

سفرِ حرمین کی تفصیلات و جُزئیات

سفرِ حرمین کے لیے جانا ہو تو کتابیں پڑھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے' معلومات تو ملتی ہیں' کچھ نہ کچھ علم تو ہوتا ہے لیکن زائرین سے تفصیلات و جزئیات سننے اور یاد رکھنے کا کوئی جواب نہیں۔ اس طرح ایسی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جن کے بل پر مکۂ پاک والے عمرے کے بہت سے مراحل میں پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ مدینۂ طیبہ میں حرم نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حاضری اور مسجد قبا میں عمرہ کی ادائی کے تمام مراحل تو محض محبت کے احساسات ہی سے طے ہو جاتے ہیں۔ کتابوں میں تحریر باتیں اور زائرین سے حاصل کردہ معلومات اپنی جگہ' مگر دیکھنے اور عمرے کے ارکان خود ادا کرنے اور زیارات کی سعادت خود حاصل کرنے سے جو کچھ ملتا ہے' وہ اور ہی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات کہ اس میں بھی ہر بار کچھ نئے تجربات اٹھتے ہیں' ہر مرتبہ کچھ نئی باتیں سامنے آتی ہیں' ہر دفعہ کچھ نہ کچھ اور ملتا ہے۔

سفرِ سعادت۔ منزلِ محبت

سفرِ حرمین کی جُزئیات' اور مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں حاضری کی کیفیات کا معاملہ یہ ہے۔۔ کہ یہ سفرِ سعادت بہت طویل' کئی دنوں پر محیط تو ہوتا نہیں کہ اس سلسلے میں بہت کچھ کہا جاسکے۔ پھر یہ سفرِ سعادت' سفرِ شوق بھی تو ہوتا ہے اور اس شوق کو دل کی زبان سے بیان کیا جاسکے تو کیا جاسکے' زبان و قلم میں یارا نہیں ہوتا کہ ان ذریعوں سے ابلاغ ہو پائے۔ مگر دل کی زبان میں کی ہوئی بات کا حسن تو تعشق کی سماعت

میں رس گھولتا ہے۔ اور' منزلِ محبت پر پہنچ کر آدمی کن رفعتوں سے شناسا ہوتا ہے' اُس کے دل و دماغ پر کیا گزرتی ہے' اس کے جذبات و احساسات اُسے کن منزلوں کی سیر کراتے ہیں' وہ کہاں ہوتا ہے' وہ کیا ہوتا ہے' کیا بن جاتا ہے'۔۔۔۔۔۔ یہ تو محسوس کرنے کی چیزیں ہیں' بیان کرنے کی تھوڑی ہیں۔ نہیں نہیں' یہ بیان کرنے کی باتیں نہیں۔

سُورۂ نٓ اور سُورہ بلَد کی تلاوت

آدمی وہاں جو کچھ محسوس کرتا ہے' اسے بیان کرنا مشکل ہے بلکہ ۔۔۔ ناممکن۔ البتہ آدمی جو کچھ دیکھتا ہے' اس کے بارے میں کچھ لکھ سکتا ہے' کچھ کہہ سکتا ہے۔ مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں پہلے یہ بات بیان کرچکا ہوں کہ ایک بار امامِ کعبہ نے کسی نماز میں اور ایک بار امامِ مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" پڑھی تو مجھے یوں لگا' جیسے دونوں اماموں نے سورۂ بلد کی یہ آیات اسی لیے تلاوت کی ہیں کہ سب پر ان کی تفسیر کھل جائے کہ جب تک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکۂ مکرمہ میں تھے' یہ قسم اس شہرِ مقدس کے لیے تھی' جب سے آپ مدینۂ منورہ تشریف لائے ہیں' یہ قسم اس دیارِ نور کی ہے۔ ایک بار کسی نماز میں سُورۂ نٓ کی ابتدائی آیات تلاوت کی گئیں اور مجھے ولید بن مغیرہ یاد آیا جس نے میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو (نعوذ باللہ) "مجنون" کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمادی۔ "قسم ہے قلم کی اور اس کی تحریر کی' آپ تو اللہ کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔" پھر اس کمبخت کی دس برائیاں گنوائیں جن میں آخری خصوصیت یہ تھی کہ وہ زنا کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اعلان فرمادیا بلکہ اس کی توثیق و تصدیق کا اہتمام بھی فرمادیا۔ "سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ" ۔ اس کے ناک پر نشان لگانے کی بات کی۔ جنگِ بدر میں جہاں بڑے بڑے کافر مارے گئے' وہاں ولید بن مغیرہ کی ناک پر نشان ہی لگا۔ اور' لوگ اسے دیکھتے ہی کہنے لگتے تھے کہ جس کی ناک کو داغنے کی پیشگوئی درست نکلی ہے' اس کے حرامی ہونے کی بات بھی

درست ہو گی۔

ماں باپ کے حقوق

ایک نماز میں سورۂ بنی اسرائیل کی وہ آیات تلاوت کی گئیں جن میں والدین کی عظمت اور ان کی خدمت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ بوڑھے ماں باپ سے "ہوں" نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا' اور ان سے تعظیم کی بات کرنا' اور ان کی لیے نرم دلی سے عاجزی کا بازو بچھانا۔" میں ہمیشہ ہی سے ماں باپ کی عزت و تکریم کا قائل رہا اور اس پر اپنی بساط کے مطابق عامل بھی رہا۔ لیکن جب ۱۹۸۵ء میں' مجھے اس موضوع پر احادیثِ مبارکہ کے مطالعے کی سعادت ملی اور میں نے کتاب "ماں باپ کے حقوق" لکھی تو مجھے یوں لگا کہ میں جو اپنے ملنے والوں میں ماں باپ کا ادب کرنے والا سمجھا جاتا ہوں' کہیں کسی کوتاہی کے باعث جہنم میں نہ پھینک دیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ سب کو والدین کی بے انتہا عزت و خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آدابِ محفلِ سرکار صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم

ایک بار "لاَ تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) سُن کر نماز ہی میں مجھ پر وجد سا طاری ہو گیا۔ اور مجھے وہ صحابیؓ یاد آئے' نام تو ان کا ذہن میں نہیں آیا۔۔۔۔۔ جن کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی۔ انہوں نے یہ آیت سنی تو گھر میں بیٹھ رہے۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے پوچھا' فلاں کہاں ہے؟ عرض کیا گیا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک و سلم) وہ اعمال کے حبط ہو جانے کے ڈر سے گھر بیٹھ گئے ہیں اور سارا سارا دن روتے رہتے ہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) سے دُوری کو بہرحال بدقسمتی جانتے ہیں اور ان کے لیے ہجر کی یہ ساعتیں ناقابلِ برداشت ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے انہیں بلا بھیجا۔ فرمایا' تمہاری آواز قدرتی طور پر بلند آہنگ ہے' تم پر یہ وعید لاگو نہیں ہو گی۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری محفل کے آداب سکھائے ہیں' جو انہیں سمجھتا ہے' وہی اچھا ہے۔ جو

ان آداب کا لحاظ نہ رکھے گا' اپنے سب کچھ گنوا بیٹھے گا۔

نماز میں لمبی تلاوت

مسجد حرام میں بھی اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم) میں بھی' نماز کی کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ کوئی کھانستا کھنکارتا نہیں ہے' کوئی ہاتھوں سے جسم کے کسی حصے کو کھجلاتا نہیں ہے۔ خضوع خشوع سے وہاں نماز پڑھنے والوں کو پوری طرح اثر پذیر دیکھا۔ نماز میں بہت لمبی قرأت نہیں ہوتی۔ البتہ ایک بار فجر کی نماز میں کچھ زیادہ آیات تلاوت کی گئیں۔ مگر اتنی بھی نہیں' جتنی میں نے میانی (ضلع سرگودھا) کے حافظ صاحب سے سُنی تھیں جن کا نام اب میں بھول رہا ہوں۔

بہاوَلا قسائی اور کلمۂ شکر

ہُوا یوں تھا کہ حافظ صاحب موصوف کی قرأت میں سوز تھا۔ ہر رمضان میں وہاں کی شاہی مسجد میں وہی قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ ایک بار رمضان سے پہلے ہی بیمار ہو گئے۔ مقتدیوں نے کہا' کسی اور سے قرآن پاک نہیں سُنیں گے' حافظ صاحب موصوف ہی سے سُنیں گے۔ چنانچہ ہفتے سے زیادہ دنوں تک' سُورتوں کی تلاوت کے ساتھ تراویح کی نماز ہوتی رہی۔ حافظ صاحب کی بیماری گئی تو بحال ہوتے ہوتے بھی پانچ سات دن لگ گئے۔ یوں بات چودہ پندرہ رمضان تک جا پہنچی۔ آخر حافظ صاحب مسجد میں آ پہنچے۔ اور مفتی صاحب سے طے کیا کہ وہ اسی دن دس سیپارے پڑھ دیں گے۔

ادھر قصبے کا مشہور قسائی بہاول بخش' جسے "بہاوَلا" کہتے تھے' کبھی مسجد نہیں گیا تھا' اس نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس رمضان میں اُس کے دوست اُس کے پیچھے پڑے رہے کہ وہ تراویح میں شریک ہو اور "سر منڈاتے ہی اولے پڑنے" کے مصداق وہ اُس دن مسجد میں آ ہی گیا۔ اسے اس خیال سے مفتی صاحب کے پہلو میں کھڑا کیا گیا کہ کہیں دو رکعتوں کے بعد بھاگ نہ جائے۔ اُدھر حافظ صاحب نے پہلی

تراویح میں دو تین "رکوع" چلائے لیکن دوسری رکعت میں بس شروع ہی ہو گئے۔ "عالمین" یا "راجعون" قسم کے الفاظ آتے تو لوگ حالتِ رکوع میں جانے کی خواہش میں ہلتے۔ مگر حافظ صاحب تھے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے۔

حافظ صاحب پڑھتے رہے' اور پڑھتے ہی گئے۔ بڑے بوڑھوں نے تو بیٹھنے کو کھڑے ہونے پر ترجیح دی۔ لڑکے بالے نماز سے ہی بھاگ گئے۔ سیانوں نے ہاہو کی آوازیں اس انداز میں نکالیں جیسے قے ہو رہی ہو' اور اس بہانے گھر جا سوئے۔ لیکن حافظ صاحب پڑھتے ہی رہے اور پچاس کے قریب عمر کا بھاولا قسائی مفتی صاحب کے پہلو میں اکڑا رہا۔ جب رات بھیگ چکی تھی' حافظ صاحب نے آخر کار "رکوع" میں جانے کا اعلان کیا' لوگ اکڑے ہوئے تو تھے' بمشکل جھکنے لگے کہ "بھاولا" کے منہ سے بے ساختہ نکلا "ہے اے۔ شکر اے"۔ اس کلمۂ شکر کی بے ساختگی نے بچے کھچے مقتدیوں کی نماز بھی خطرے میں ڈال دی۔ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ مفتی صاحب اور دوسرے تین چار بزرگوں نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک کر نماز جاری رکھی۔ مگر تشہّد کے دوران میں بھی ہنسی نے اپنا رنگ دکھایا۔ نماز پتا نہیں' ہوئی یا نہیں۔ مفتی صاحب نے یہ فتویٰ بہرحال دیا کہ ہو گئی۔ کیونکہ حافظ صاحب کے دس سیپاروں کا بھی تو کچھ کرنا تھا۔

لمبا سجدہ

ایک بار میں ہفت روزہ "آئین" کے دفتر میں تھا۔ اس پرچے کے ایڈیٹر مظفر بیگ سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ جماعتِ اسلامی کا آرگن ہے۔ عیسوی سن کی چھٹی دہائی میں اس پرچے میں میرے مضامین نظم و نثر شائع ہوتے رہے۔ میں مظفر بیگ کو "جماعتِ اسلامی کا شریف ترین آدمی" کہا کرتا تھا۔ ایک دن ایک صاحب کہنے لگے کہ جماعت میں تو مولانا (مولانا ابو الاعلیٰ مودودی) بھی ہیں۔ میں نے کہا' میں جانتا ہوں۔ اس پر لڑائی ہوتے ہوتے بچی۔ مظفر بیگ نے اسے بمشکل سمجھایا کہ رشید شرارت کر رہا ہے۔

"آئین" کا دفتر ریلوے روڈ' نسیم مارکیٹ میں ہے۔ اس کے سامنے کسی گلی میں ایک بار عصر کی نماز کے لیے چلا گیا۔ امام بوڑھے سے آدمی تھے۔ نماز تو چپ چاپ تھی' البتہ کاش وہ لٹک لٹک کر دیتے تھے۔ قیام میں اور رکوع میں بھی خاصی دیر لگا دی۔ لیکن سجدے میں گئے تو بس گئے۔ میں نے تین تسبیحیں' پانچ' سات' نو' گیارہ اور پھر ان گنت تسبیحیں شروع کر دیں۔ جب بہت دیر ہو گئی تو مجھے شک ہوا کہ کہیں میں ہی تو پڑا نہیں رہ گیا ہوں۔ دایاں ہاتھ سرکا کر کن انکھیوں سے اپنے ساتھی کو دیکھا تو وہ پڑا تھا۔ میں نے پھر "سُبحَانَ رَبّیَ الاعلیٰ" پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن پھر ایک حد پر جا کر مجھ سے ضبط نہ ہوا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو امام صاحب تھے۔ میں نے آنکھیں میچ لیں' تسبیح روک دی اور ہاتھوں اور ماتھے کے بل لیٹ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد "اللہُ اکبر" کی آواز آئی اور میں "ہے اے شکر اے" کہتا کہتا رہ گیا۔ بس کچھ نہ پوچھیے' باقی تین رکعتیں کیسے پوری کیں۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ وہ دن اور آج کا دن' میں نے ریلوے روڈ کے آس پاس کی کسی مسجد میں کبھی نماز نہیں پڑھی۔

پولیس کا ڈر اور خدا تعالیٰ کا ڈر

ایّوب خاں کا زمانہ تھا۔ ایک عید الفطر جمعہ کو آ رہی تھی۔ رات دس بجے تک خبروں میں بتایا گیا کہ پاکستان بھر میں کہیں چاند نہیں ہوا' دوسرے دن جمعرات تھی۔ صبح سحری کا انتظام کرنے کے بعد گھر والے مجھے اٹھاتے تھے۔ میں اٹھتے ہی اپنے سرہانے پڑے ریڈیو کو آن کر دیتا تھا۔ بڑی اچھی نعتیں سننے میں آتی تھیں۔ اس روز میں نے ریڈیو کھولا تو کوئی نغمۂ طرب تھا۔ میں حیران ہوا' لیکن تھوڑی دیر کے بعد مبارک سلامت کی آوازیں آنے لگیں کہ چاند ہو گیا ہے اور آج عید ہے۔ ساری دُنیا حیران تھی کہ رات دس بجے کے بعد چاند کہاں سے طلوع ہو گیا۔ اس سچوایشن پر انعام دُرّانی نے کہا تھا۔

ہر خوشی میری ترے موڈ کی محتاج رہی — عید کا چاند بھی جب تو نے نکالا' نکلا

اصل میں کسی نے بادشاہ سلامت کو ڈرایا کہ جمعہ کی عید حکومت پر بھاری
ہوتی ہے' عید جمعرات کو کر لینا چاہیے۔ پولیس والے بھاگم بھاگ مولویوں کے پاس
پہنچے اور انہیں نماز پڑھانے پر اُکسایا۔ کچھ نے پڑھوا دی' اکا دکا اڑ گئے۔ وحدت روڈ
کی ایک نماز عید کا لطیفہ اخبارات میں چھپا تھا کہ مولوی صاحب پولیس کے ڈر سے
نمازِ عید میں سجدے تک گئے اور لوگوں کو لٹا کر جوتے اٹھا کر' خدا کے ڈر سے بھاگ
لیے۔ کافی دیر کے بعد کسی آدمی نے سر اٹھایا تو مولوی صاحب کو غائب پایا۔ اس نے
اُٹھ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ اور یوں باقی مقتدی بھی جاگ اٹھے۔ یہ واقعہ میرے
ذہن میں تھا' اسی لیے ریلوے روڈ والی مسجد میں سخت مایوسی کے عالم میں مجھ سے سر
اٹھا کر امام مسجد ———————— کو تاڑنے کی
غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر امام صاحب بھاگ گئے ہوں تو اُن کے
فرار کے اعلان کی سعادت مَیں حاصل کر لوں۔

یکم رمضان کو روزہ نہیں تھا

جمعرات کی اس سرکاری عید پر پاکستان کے بڑے بڑے علما نے' خاص طور پر
جنہیں سیاست میں بھی درک تھا' احتجاج کیا۔ پکڑ دھکڑ ہوئی۔ یہی موقع تھا' جب
پولیس مشہور شیعہ عالم مولانا اظہر حسن زیدی کو گرفتار کر کے لے جا رہی تھی کہ
ایکسیڈنٹ ہوا اور ان کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے رویتِ ہلال
کے موضوع پر ایک کتابچہ لکھا اور چھپوایا' جس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ
ارشاد تحریر تھا کہ اگر مطلع صاف ہو تو لوگ مجمع کی صورت میں چاند دیکھیں' اگر مطلع
ابر آلود ہو تو گواہیاں لی جائیں۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اگلے سال رمضان المبارک کا
چاند ہونے کا سرکاری اعلان ہو گیا لیکن مطلع صاف تھا اور لاہور میں بھی اور ان تمام

علاقوں میں بھی جن کا مطلع ایک ہے' کہیں کسی ایک شخص کو بھی چاند نظر نہیں آیا۔
صوبۂ سرحد کے جن علاقوں کا مطلع ہم سے مختلف ہے' صرف وہاں چاند دکھائی دیا جو
پاکستان کے باقی علاقوں کے لیے دلیل نہیں بنتا تھا لیکن حکومت نے چاند ہونے کا
اعلان کر دیا'۔۔۔۔۔ اور' کسی ایک مولوی صاحب کے کان پر جُوں تک نہیں
رینگی۔ میں نے روزہ نہیں رکھا۔

پہلے سرکاری روزے کے دن میں نے اپنے دوست مُنوّر ابنِ صادق کی
موجودگی میں چپراسی سے پانی لانے کے لیے کہا۔ منور صاحب نے یاد دلایا کہ روزہ
ہے۔ میں نے بحث کی۔ ان کا جماعت اسلامی سے تعلق تھا' میں نے مولانا (مودودی)
کے کتابچے کا حوالہ دیا تو پریشان ہو گئے۔ ہم دونوں نے مختلف دارالعلوموں اور مختلف
علما کو فون کیا لیکن کسی کی غیرت جگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ منور ابنِ صادق
نے میاں طفیل محمد (اس وقت کے امیر جماعتِ اسلامی) کو فون کیا تو اُنھوں نے ایسا
جواب دیا کہ اِن کے دانت کھٹے ہو گئے۔

غیرتِ ایمانی کے ہنگامی مظاہرے

یہ ہماری قومی بد قسمتی ہے کہ ہم غیرتِ ایمانی کے ہنگامی مظاہرے کرتے ہیں'
اس غیرت سے مستقل تعلق نہیں جوڑتے۔ کبھی ہماری سیاست' ہمارے مفادات'
ہماری ضرورت ہمیں اُکساتی ہے تو ہم اسلام کے نام پر ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ جب ہمیں
ضرورت نہیں رہتی یا ہمیں اُکسانے کا مناسب "باعث" نہیں ملتا تو ہم خاموش رہتے
ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کا مضمون "منکہ ایک دھوبی" پچاس سے زیادہ برسوں میں
بیسیوں مرتبہ چھپا' ایسے جرائد میں بھی شائع ہُوا جو بڑے جید علما کی زیرِ نگرانی چھپتے تھے
مگر کبھی اعتراض نہیں ہوا۔ میٹرک کی اردو کی کتاب میں بھی عرصے تک چھپا مگر ایک
بار مولویوں نے ہنگامہ کر دیا کہ اس میں (نعوذُ باللہ) حضور سرورِ کائنات علیہ السلام

واسوۂ کی توہین ہے۔ سیاسی ضرورت تھی تو "تحفظِ ناموسِ رسالت" کے نام سے ایک تحریک سلمان رُشدی کے خلاف شروع کی گئی اور اسلام آباد میں مظاہرہ کروا کے کچھ پُرجوش نوجوانوں کو شہید بھی کروا دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد ضرورت نہ رہی تو خاموشی اختیار کر لی گئی۔

علما و مشائخ کا کردار

ضیاءُ الحق نے برسرِاقتدار آتے ہی ایک علما کونشن کیا' اس میں شاید سیّد محمود احمد رضوی نے ایک قرارداد پیش کی کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' صحابۂ کرامؓ اور اہلِ بیتِ عظام کی توہین کو لائق تعزیر قرار دیا جائے۔ عباس حیدر عابدی نے تائید کی اور سربراہِ مملکت نے اس پر قانون سازی کا وعدہ کر لیا۔ دو تین ہفتے بعد جب اس مقصد کے لیے قانون بنا تو اس میں اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام نکال دیا گیا۔ آرڈی ننس آیا کہ خُلفائے راشدین' اُمّہات المؤمنین' صحابۂ کرام اور اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) کی توہین قابلِ سزا ہو گی۔ صرف ماہنامہ "نُورالحبیب" کے کالم نویس نے نقار خانے میں طوطی کی آواز بلند کی' جو ظاہر ہے کہ صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ سیّد محمُود احمد رضوی محرک نے' عباس حیدر عابدی مؤید نے' کونشن میں موجود مولویوں اور پیروں میں سے کسی ایک نے اور خود صدرِ مملکت نے اس کا احساس تک نہ کیا۔ لیکن بعد میں جب محمد اسماعیل ایڈووکیٹ نے یہ مسئلہ اٹھایا اور اس پر پبلسٹی کی یا اور کوئی ضرورت سامنے آئی تو بہت سے "علما" نے غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کر ڈالا۔ میں ان شاء اللہ اپنی تفصیلی خود نوشت میں ایسی بہت سی یادداشتوں کو قلم بند کرنے کی سعی کروں گا۔

گُفتار کچھ' کردار کچھ

دراصل ہماری منافقت نے گُفتار و کردار میں بُعد کی حدت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہم مسجدوں میں ترکِ صلوٰۃ پر وعیدیں سناتے ہیں۔ "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" کی حدیث لوگوں کو سنانے والے اور اس کا ترجمہ کرنے والے کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑی' وہ کافر ہو گیا (اِلّا ماشاء اللہ) اُس وقت خود نماز نہیں پڑھتے جب اُن کا کوئی مقتدی یا جاننے والا نہ دیکھ رہا ہو۔ تصویر کے خلاف فتوے دینے والے میں نے خود برضا و رغبت تصویر کھنچواتے دیکھے ہیں۔ غیبت کی برائیاں گنوانے والے خود اس عذاب میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بریلوی اکابر دیوبندیوں اور اہلِ حدیث پر کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں' اپنے پیروؤں کو اُن سے ہاتھ نہ ملانے' سلام نہ کرنے' نزدیک نہ بیٹھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح وہابی دیوبندی اِن کو بدعتی اور مشرک گردانتے ہیں لیکن جونہی کوئی سیاسی ضرورت سامنے آتی ہے' یہ "بڑے" آپس میں مل بیٹھتے ہیں' اتحاد کر لیتے ہیں۔ ملتے ہیں' ہاتھ ملاتے ہیں' اکٹھے کھاتے پیتے ہیں۔ میں نے مولویوں کا ذکر کیا کہ ان کی زبانیں "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے نہیں تھکتیں۔ سیاستین کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ہمارے ہاں سیاست تو نام ہی منافقت اور بے ایمانی کا رہا ہے' اب اس میں غنڈہ گردی اور خرید و فروخت کا اضافہ ہو چکا ہے۔

ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد

پاکستان کے جو بریلوی علما نہ خود کسی دیوبندی' اہلِ حدیث غیر مقلدوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں' نہ کسی کو پڑھنے دیتے ہیں' مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ میں ان میں سے بیشتر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں آمین بالجہر کو کفر اور اسلام کا معاملہ سمجھتے ہیں' وہاں زور سے آمین کہنے لگتے ہیں۔ دراصل کہنے اور کرنے کی دو عملی کی

بنیاد ہمارے مفادات ہیں۔ ہم دل سے سمجھتے ہیں کہ کسی وہابی کا بریلوی یا شیعہ سے یا کسی بریلوی کا دیوبندی یا اہل حدیث یا کسی شیعہ کا غیر شیعہ سے اتنا جھگڑا نہیں ہے، جتنا ہم اپنی دکانداری کے لیے، جلب زر کی خاطر بڑھا لیتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ماننے والوں کو لڑاتے نہ رہیں تو ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد کا کیا جواز ہو گا۔

معراجِ انسانیت

حرم کعبہ میں اور حرم نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں میرے دائیں بائیں پتا نہیں، کس کس مسلک اور عقیدے کے لوگ تھے لیکن میری طبیعت پر کوئی بوجھ نہیں پڑا۔ اصل میں، وہاں آدمی کی توجہ اپنے خالق و مالکِ حقیقی جل وعلا کی طرف اور حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی طرف ہوتی ہے، آدمی کا دل محبتوں کے نور سے معمور رہتا ہے، کدورتوں اور بغض و کینہ کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ ویسے بھی وہاں آدمی اپنے آپ میں گم ہوتا ہے یا پھر اپنے آپ میں نہیں ہوتا۔ کبھی ہوش کی کسی منزل پر نظر آتا ہے تو کبھی بے ہوشی یا مدہوشی کے عالم میں پہنچا ہوا ہوتا ہے--------- شاید یہی انسان کی معراج ہو۔

۹۴ کا کرم شامل حال رہا تو---------

میرا جی چاہتا ہے کہ ۱۹۹۴ء بست تیز رفتار سے گزرا چلا جا رہا ہے، خدا کرے، خدا کرے، مجھے اس سال بھی زیارتِ روضۂ رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کعبۃ اللہ کے اردگرد رقصِ ارادت کی توفیق ملے اور "۹۴" کا کرم شاملِ حال رہا تو میری درخواست قبول ہو ہی جائے گی۔ اس بار آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

والدہ محترمہ کی بارگاہ میں حاضری اور غار ثور تک رسائی کی بڑی تمنا ہے۔ محترم منیر احمد غازی سے کسی نے پوچھا، آپ ہر سال کیسے وہاں چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا، "بہت آسانی سے۔ ہر مرتبہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گزارش کر آتا ہوں، ہر بار حاضری کی سعادت مل جاتی ہے۔" میں دنیا دار، عصیاں شعار ہر مرتبہ کچھ چالاکی بھی کر جاتا ہوں۔ کچھ سعادتیں حاصل کرتا ہوں، کچھ اگلی مرتبہ کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ چاہوں تو قدرت ایسے حالات پیدا کر دیتی ہے کہ کوئی ضروری کام رہ جاتا ہے اور میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربارِ پُرانوار میں عرض گزارتا ہوں کہ آقا (صلی اللہ علیک وسلم)! فلاں جگہ حاضری نہیں ہوئی، فلاں سعادت حاصل نہیں کر سکا۔ جلد ہی پھر بلا لیجیے---------اور یہی نسخہ آئندہ بھی آزمانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اب تک ۱۹ دن حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں گزارنے کے باوجود اُستُنِ حنانہ، ستونِ عائشہؓ، ستونِ ابولبابہؓ اور حرم پاک کے بہت سے مقامات جو میں نہیں دیکھ سکا، اس میں میرا یہ یقین بھی تو کارفرما ہوتا ہے کہ مجھے تو صرف آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور درخواست ہی کرنا ہے۔ وہ کریم ہیں، میری چالاکیوں سے بھی واقف ہیں، یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ ایسی چالاکیاں کیوں کرتا ہے، اس کی اس قسم کی حرکتوں کے پیچھے جذبہ کیا ہے---------اس لیے آئندہ کسی موقعے پر یہ زیارتیں بھی کر لوں گا۔

خوخۂ ابوبکرؓ

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد نے اپنی کتاب "آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر" میں لکھا ہے کہ حرم نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا وہ حصہ جو چودہ سو سال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق علیٰ حالہٖ قائم ہے، وہ بابُ السلام کے قریب دریچۂ ابوبکرؓ ہے۔ میرے عزیز دوست پروفیسر سرور شفقت،

کیڈٹ کالج، حسن ابدال میں پڑھاتے ہیں۔ اہلِ محبت میں سے ہیں۔ دو برس پہلے چند دوستوں نے جھیل سیف الملوک پر درودِ پاک پڑھنے کی نیت سے سفر کا ارادہ کیا، سرور شفقت کو معلوم ہوا تو کئی بار فون کیا، خود لاہور تشریف لائے۔ طے یہ پایا کہ قافلہ رات ان کے ہاں حسن ابدال ٹھہرے گا اور صبح ان کی معیت میں حضرت عبدالرحمٰن چھوہروی کی لحدِ مبارک پر حاضری کے بعد آگے چلیں گے لیکن بوجوہ ہم اپنے اس ارادے کی تکمیل میں ناکام رہے۔ لیکن گزشتہ سال میں عیدُ الاضحیٰ سے پہلے اپنے دونوں بیٹوں اظہر محمود اور اختر محمود کے ساتھ اور عید کے بعد سب اہلِ خانہ کے ساتھ اسی نیت سے گیا۔ دوستوں کا پروگرام آیندہ کبھی پھر بنے گا، ان شاء اللہ ----- اور، ہم سرور شفقت صاحب کی رہنمائی میں وہاں پہنچیں گے۔

درخواست کا مضمون

قومی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس، اسلام آباد میں اس بار اُن سے ملاقات ہوئی اور یہ بات ہوئی کہ * میں حاضری کی نیت ہے تو مجھے فرمایا کہ پروگرام سے انہیں مطلع کروں، شاید ساتھ ہو جائے۔ مجھے جب اشارتاً بھی یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں اہلِ محبت کی معیت میں وہاں جانا ہو گا، تو میری راتوں کی نیند حرام ہونے لگتی ہے۔ سوچتا رہتا ہوں کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اس محبوب پر کرم فرمائیں گے، اس کی طرف ہوں گے، تو اس کی معیت کے باعث مجھ پر بھی نظرِ کرم ہو جائے گی۔ ربیع الثانی کے آغاز ہی میں سرور شفقت کا خط بھی ملا، جس میں پروگرام بھی پوچھا ہے اور رہنمائیاں بھی کی ہیں۔ جعرانہ کی عظمتیں بیان کی ہیں، ابواء شریف کا تذکرہ کیا ہے، قریۂ حلیمہ سعدیہؓ، الشحد کے راستے کی تفصیلات لکھی ہیں۔ یہ تفصیلات عبد الرحمٰن عبد کی کتاب میں ملتی ہیں۔ انہوں نے جس عقیدت اور محبت سے وہاں حاضری دی ہے اور جس پیار بھرے انداز میں سرور شفقت صاحب نے سید

و سرورِ کائنات علیہ والسلام والصلوٰۃ کی رضاعی ماںؓ کا، ان کی رضاعی بہن حضرت شیماؓ کا، اُس سرزمینِ مقدس کا جس پر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن کے پیارے لمحات گزرے، ذکر اپنے مکتوب میں کیا ہے، اس نے میرے سینے میں اور آگ بھڑکا دی ہے۔ آیندہ کے لیے حاضری کی گزارشوں میں یہ وجہ بھی شامل سمجھیے، ----- کہ اس بار اگر ابواء شریف تک رسائی اور غارِ ثور میں حاضری کی سعادت سے بہرہ یاب ہو جاؤں تو آئندہ طائف اور الشحد کے لیے درخواست پیش کروں گا۔ اس بار جعرانہ کے مقام پر حاضری اور وہاں سے احرام باندھ کر، کم از کم ایک بار عمرہ کرنے کی نیت تو ہے۔ اللہ کریم، توفیق عطا فرمائے۔

ابواء شریف کا سفر اور لکۂ ابر کا سایہ

ابواء شریف میں حاضری کی خواہش کا اظہار اپنے ربِ کریم جل شانہٗ کی بارگاہ میں اور حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا کے حضور تو کرتا آ رہا ہوں۔ اپنی کتاب "سیرتِ منظوم" (جو قطعات کی صورت میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُردو میں پہلی منظوم سیرت ہے) کا انتساب میں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مادرِ محترم سیّدہ آمنہ (سلام اللہ علیہا) کے نام، اس منت کے ساتھ کہ اب کے ابوء شریف میں حاضری سے محروم نہ رہوں"۔ پہلی بار گیا تو والدہ صاحبہ اور خالہ جان کی معیّت کے باعث وہاں حاضری کا ارادہ مؤخر کرنا پڑا۔ دوسری بار حاضری ہوئی تو کامیابی نہ ہوئی۔ اور ----- جنہیں وہاں حاضری کی سعادت مل چکی ہے، ان کی قسمت پر رشک کرنے اور ان کی اس لحاظ سے عظمت کو سلام کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

نامور نعت گو شاعر اور بہت اچھے ادیب حافظ لدھیانوی نے اپنے ایک سفر نامۂ حجاز میں یہ ایمان افروز واقعہ لکھا ہے کہ جب ان کی گاڑی ابواء شریف کے

راستے کے لیے مستورہ سے مری تو سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ سے ان کے بچاؤ کا سامان کر دیا گیا۔ ان کی گاڑی کے دائیں بائیں تو دھوپ تھی مگر ان کی گاڑی پر ایک ٹکڑۂ ابر نے سایہ کر رکھا تھا۔ صحرا کی ریت میں راستہ تو تھا نہیں۔ انھیں اِدھر اُدھر جانا پڑتا تھا لیکن بادل کے ٹکڑے نے انھیں سایۂ رحمت میں رکھا۔ شاید انھوں نے لکھا تھا کہ کیفیت یوں تھی جیسے ہم ائرکنڈیشنڈ کار میں سفر کر رہے ہوں۔ پھر وہ ایک قبیلے کے پاس جا پہنچے جنھوں نے ان کی تواضع بھی کی اور اپنی گاڑی کی رہنمائی میں انھیں منزل تک بھی پہنچایا۔ اس قبیلے کے ذکر کے بعد حافظ لدھیانوی نے ٹکڑۂ ابر کا ذکر نہیں کیا' اس سے پہلے تو اس بادل کے ٹکڑے نے ان کی سرپرستی سے ہاتھ نہ اُٹھایا تھا۔ میرے تو دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ یا اللہ' اہلِ محبت کو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایۂ رحمت میں رکھنا۔

اہلِ محبت کی ہمراہی اور رہنمائی

جب یہ سوچتا ہوں کہ حرمین شریفین کی زیارات سے محروم رہا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ کوئی شمس الحق شاہ' کوئی سرور شفقت' کوئی اور اہلِ محبت ساتھ ہو' اس کی رہنمائی میں زیارات کی سعادت حاصل ہو تو بات بنے۔ سوچتا ہوں کہ حرمین کے سفرناموں کا بالتفصیل مطالعہ کروں اور فہرست بنا لوں کہ کون کون سا مقام دیکھنا ہے' کون کون سے مقامات کی زیارت سے آنکھوں کو مُستنیر کرنا ہے۔ پھر اگر کوئی واقف اہلِ محبت ساتھ ہو تو مزا لوں۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو زبان سے ناواقفیت کے باوجود' لوگوں سے پوچھتا پھروں۔ کوئی بتائے' کوئی نہ بتائے۔ کوئی جواب دے' کوئی نہ دے۔ کوئی میری بات سمجھے' کوئی نہ سمجھے۔ کوئی میری بات سننا چاہے' کوئی نہ سننا چاہے۔ میں لوگوں سے پوچھتا کروں کہ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فلاں فلاں نسبت کا مقام کہاں کہاں ہے'۔۔۔۔۔ ؟؟؟

زیادہ محبت کس سے؟

اہلِ محبت کے سرخیل تو حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ان کی سرکارِ والا تبار علیہ والسلام والثنا کے ساتھ محبت تو ضرب المثل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک بار بیان کیا تھا کہ کسی آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے۔ انھوں نے جو کچھ جواب میں ارشاد فرمایا' اس کو علامہ اقبالؒ نے اپنے قلندرانہ رنگ میں یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ بھی یہیں تھا' ہم بھی یہیں تھے' ہمارا تو آپس میں تعارف ہی نہیں تھا۔ یہ تعارف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کرایا' اس لیے ان سے زیادہ محبت ہے۔ اب آپ اس بات کو یوں کہہ لیجیے کہ انسان کو معرفتِ خداوندی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے حاصل ہوئی۔ یا اس سے بھی اچھے الفاظ استعمال کر لیجیے لیکن اقبال کہتے ہیں

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ
از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

نسبت کی عظمتیں

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ حرم کعبۃ اللہ میں حاضری اور خانۂ کعبہ کے گرد طواف نے بھی مجھے کسی کیفیت سے اُس وقت تک شناسا نہ کیا' جب تک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حوالہ ذہن میں نہ آیا۔ جب یہ سوجھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی خواہش کے مطابق کعبہ ہمارا قبلہ بنا تھا اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی قبلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے تھے' تو بات بنی۔ کعبے کی عظمت کا راز کھلا تو میری روح پر کعبۃ اللہ کی عظمت کھلی۔ اب غور کرتا ہوں تو نسبت کی عظمتیں یوں سایہ فگن ہوتی ہیں کہ دنیا میں موجود چیزوں سے صرف ایک ہی چیز ایسی ہے جسے میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوسہ دیا' وہ حجرِ اسود ہے۔ جن پتھروں پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے' وہ جبلِ اُحد کے وہ پتھر ہیں جہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام زخمی ہونے کے بعد آرام فرما ہوئے۔ غارِ ثور پر تو میں ابھی پہنچا نہیں' خدا کرے' ہم مجھے وہاں پہنچا دے۔ غار حرا میں جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں' اُس پتھر کے بارے میں یقین نہیں ہے کہ وہ وہی ہے یا نہیں ہے جس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے تھے' جہاں پہلے ان کی خالق و مالک سے بلا واسطہ باتیں ہوتی ہوں گی' پھر وہیں جبریلؑ واسطہ بنے ہوں گے۔

حجرِ اسود کی میزبانی

کہتے ہیں' ایک صاحب حج کا ارادہ ظاہر کر کے کراچی گئے اور وہیں رہے۔ موزوں عرصے کے بعد واپس آئے تو اس اعلان کے ساتھ کہ وہ حج کر آئے ہیں۔ در اصل' پہلے' لوگ حاجیوں کی عزت بہت کیا کرتے ہیں اور کوئی اکا دکا آدمی حج کو یا حج کے نام کو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے بھی استعمال کر لیتا تھا' اللہ تعالیٰ معاف کرے! اب ایک' تو حج عمرہ عام ہو گیا ہے' دوسرے لوگوں کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ حج کر آئے ہیں تو کوئی غلط کام کریں گے تو خود بھی مطعون ہوں گے' حج بھی مطعون ہو گا۔ اب لوگ حج عمرے بھی کیے جاتے ہیں اور "دوسرے" کام بھی خوش اسلوبی اور دلجمعی سے کرتے جاتے ہیں۔

ہاں تو' کراچی کے وہ "حاجی" اپنے آپ کو مکے مدینے کا حاجی کہتے کہلاتے گھر

پہنچ گئے۔ لوگ ان سے ملنے آتے' خیر خیریت پوچھتے' وہاں کے حالات معلوم کرنا چاہتے' وہاں کی باتوں سے اپنے اذہان و قلوب کو روشنی بخشنے کی خواہش کا اظہار کرتے۔ یہ بھی کچھ سُنی سنائی' کچھ گھڑی گھڑائی سناتے رہے۔ ایک صاحب نے کہا' حجرِ اسود کی سنائیے۔ کہنے لگے' سبحان اللہ' کیا وضعدار اور نیک بزرگ تھے۔ مجھے اپنے گھر لے گئے' کھانا بھی کھلایا۔ ان صاحب نے اپنے استعجاب کو زبان دی' حضرت! وہ تو پتھر ہے۔ ذرا ٹھٹکے' مگر آدمی تیز تھے۔ کہنے لگے۔ جب میں وہاں تھا تو آدمی ہی تھے مگر کچھ حرکتیں ان کی ایسی ہی تھیں' پتھر ہو گئے ہوں گے۔

محبّت کے زیرِ اثر خواہشیں

لیکن کچھ لوگ خدا تعالیٰ اور اُس کے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثالی محبت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے گھر اور حضور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کی زیارت کا شوق انہیں اس وقت تک بیکل رکھتا ہے' جب تک ان کی یہ اُمید نہ بر آئے۔ وہ وہاں حاضری کے تصوّر سے مزے ملتے رہتے ہیں۔ زرق برق کپڑے چھوڑ کر کفن پہن لینے' حطیم میں نفل ادا کرنے' ملتزم سے لپٹ کر اللہ تعالیٰ کو منانے' پہاڑیوں کے درمیان بھاگ دوڑ کر اور سر منڈوا کر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی خواہش انہیں چین نہیں لینے دیتی۔ ریاضُ الجنّۃ میں نماز پڑھنے کی حسرت انہیں بیقرار کر دیتی ہے' قدمین میں مؤدب کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام ادا کرنے اور مواجہ شریف کی طرف جالیوں کو چومنے کی خواہش انہیں ہزاروں میل کا سفر طے کروا کے' بعض اوقات اپنی اوقات سے زیادہ کرایہ خرچ کرنے کے بعد حرمین میں پہنچا دیتی ہے۔

جالیوں تک رسائی

صادق قریشی نے اپنے سفر نامۂ حجاز میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے پاس جو کچھ تھا' بیچ باچ کے مدینۂ طیبہ پہنچ گئے۔ اُن کی خواہش تھی کہ وہ جالی مبارک سے چمٹ جائیں لیکن شُرطی اور مطوعے انہیں بھی' دوسرے شائقین کی طرح اس طرف بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ اُن بزرگ کے دل میں جالی مبارک کو چومنے کی تمنا اتنی شدید تھی کہ جونہی شُرطی کی نظر چوکی' وہ بزرگ تیزی سے آگے بڑھے اور دو زانو ہو کر جالی کے ساتھ سر لگا دیا۔ شُرطی اور مطوعہ تیزی سے آگے بڑھے' انہیں وہاں سے اٹھانا چاہا۔ مگر کہاں۔ انہیں تو جہاں پہنچنا تھا' پہنچ چکے تھے۔ جب انہوں نے منزل پا لی' جب زندگی بھر کی تمنا پوری کر لی تو انہیں نہ جینے کی تمنا تھی' نہ اِس موت سے اچھی موت انہیں نصیب ہو سکتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی حاضری قبول فرمائی' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

بصارت کیا ہے' اندھاپن کیا

جو آنکھوں والے ہوتے ہیں' وہ یا تو اپنی آنکھوں کو زیارتِ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش میں نہلاتے رہتے ہیں' یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کر لیتے ہیں' یا پھر درِ آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا کی دید سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ اور' اندھے وہ ہیں جنہیں محبتِ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی نہ ملی ہو اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیں۔ حضرت عمیرؓ بن عدی بظاہر آنکھیں نہ رکھتے تھے' ایک شاعرہ عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرتی تھی۔ یہ ٹٹولتے ٹٹالتے اس کے گھر پہنچے اور تلوار اس کے دل میں اتار دی۔ اس عورت کے بیٹوں نے واویلا کیا کہ یہ ہماری ماں کے قاتل ہیں؟ حضرت عمیرؓ نے اقرار کیا اور فرمایا کہ آئندہ بھی اگر کسی نے ایسی حرکت کی تو اُسے موت کا مزا چکھاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے فرمایا' اگر کوئی

ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی غائبانہ مدد کی ہو' تو وہ عمیرؓ بن عدی کو دیکھ لے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انہیں نابینا نہ کہو' یہ بینا اور بصیر ہیں۔

اللہ کب مُسکراتا ہے

جن کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں' انہیں تو اللہ اور اس کے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خوشنودی کے سوا کوئی بات' کوئی کام اچھا نہیں لگتا۔ ایک صحابیؓ نے جنگِ بدر میں آقائے کائنات علیہ السّلام والصلوٰۃ سے پوچھا کہ اللہ اپنے بندے کی کس بات سے مسکراتا ہے۔ فرمایا' جب کوئی بندہ کوئی حفاظتی ہتھیار لیے بغیر' اُس کی راہ میں لڑے۔ ان صحابیؓ نے زرہ اتار پھینکی اور لڑتے لڑتے ابوجہل کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

تُرکی کی سعادت

پچھلے سال جب ہم حرمین کی زیارت کے لیے' یعنی اپنے مقدر سنوارنے کے لیے گئے تو ابھی توسیع کا کام جاری تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ابھی کام مکمل نہیں ہوا۔ مکہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ' دونوں مقاماتِ مقدسہ پر توسیع کا کام تُرکی کی کمپنی "بن لادن" کو ملا ہے۔ شاید یہ سعادت ترکی کے حصے میں تھی۔ ترکوں نے مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جو توسیع کی تھی' اس کے لیے جس محبت اور عقیدت سے کام کیا تھا' اس کی یاد روح و جاں کو سرُور و کیف کی لذتوں سے آشنا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں صلاح الدین محمود کی "خاکِ حجاز کے نگہبان" میں تفصیلات ملتی ہیں۔ میں ایک دن دفتر کی لائبریری میں آنے والے جرائد دیکھ رہا تھا کہ "روایت" میں ان

کا یہ مضمون دکھائی دیا۔ آخر میں ایک ادارتی نوٹ تھا کہ بعض حصے خوفِ فسادِ خلق سے حذف کر دیے گئے ہیں۔ میں نے سیّد سجّاد رضوی سے بات کی۔ ہم نے صلاح الدین محمود سے پہلے فون پر رابطہ کیا' پھر اُن سے ملے۔ انہوں نے شکایت کی کہ ایڈیٹر "روایت" نے وعدہ خلافی کی ہے اور بعض حصے نکال دیے ہیں۔ میں نے ان سے مضمون لے لیا۔ حکیم محمد مُوسیٰ امرتسری نے اسے مرکزی مجلس رضا کی طرف سے ہزار ہا کی تعداد میں چھپوایا اور ملک میں اور بیرونِ ملک مفت تقسیم کرایا۔ اب یہ شاہکار ادارۂ معارفِ نعمانیہ نے شائع کر دیا ہے۔

معنیٔ محبت اور حدودِ نیّت

اس شاہکار تحریر میں مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تعمیر میں تُرکوں کے حُسنِ عمل کی تفصیلات و جُزئیات بیان کی گئی ہیں اور رونگٹے کھڑے کر دیتی ہیں۔ تُرکوں نے عالمِ اسلام کے بہترین معمار اکٹھے کیے' ان کے لیے الگ بستی بسائی' ان کی اولاد کو تربیت دلوائی۔ اس نئی نسل کے لیے بہترین تعلیم اور بہترین تربیت کا اہتمام کیا۔ ان پانچ سو معماروں میں ہر فرد کو قرآنِ مجید حفظ کروایا۔ پتھر کی نئی کانیں دریافت کیں۔ نئے اور اَن چھُوئے جنگل تلاش کیے' وہاں سے لکڑی کاٹ کر اسے بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان کے تلے موسمایا گیا'۔۔۔۔۔۔ اور کیا نہیں' کیا کیا اہتمام کیا۔ پھر مدینۂ طیّبہ سے کئی میل باہر ایک بستی بسا کر وہاں ہر چیز تیار کرائی جاتی۔ اگر مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں کوئی پتھر' یا لکڑی کی کوئی چیز پوری نہ آتی تو اسے شہرِ مقدس سے باہر بسائی گئی بستی میں لے جایا جاتا' وہاں اُسے رگڑ رگڑ کر مناسب شکل میں لایا جاتا اور پھر مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں لا کر نصب کیا جاتا۔ اس خیال سے کہ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کسی قسم کا شور بھی جائز نہیں۔ جلیل القدر صحابہؓ تک کو آوازیں اونچی کرنے کی تو اجازت نہیں

تھی' مشینوں کا شور کیسے مناسب و گوارا ہو گا۔ اب اگرچہ ترکی ہی کی کمپنی حرمین میں توسیع کا کام کر رہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومت کی ہدایت کے مطابق کر رہی ہے۔

اَلعیاذُ باللہ

میرا ذوق تو یہ ہے کہ حضور حبیبِ ربِّ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے نسبت کے تمام مقامات اور آپ سے منسوب تمام اشیا عین و عَن محفوظ کر لی جائیں۔ اور آس پاس کی دُنیا کو جدید سہولتوں کے مطابق آراستہ اور پیراستہ کیا جاتا۔ اب مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں وہ گلیاں' وہ مقام دیکھنے میں نہیں آ سکتے جہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک پاؤں یا مبارک ہاتھ لگے تھے۔ ہم مسجدِ قبا میں گئے تو افسوس کرنا پڑا کہ کم از کم اُس جگہ کی نشان دہی ہی کر دی جاتی جہاں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُونٹنی بیٹھی تھی۔ اور تو اور' وہاں کے موجودہ حکمرانوں نے باغِ سلمان فارسیؓ میں لگے ہوئے کھجُور کے وہ درخت بھی کٹوا دیے ہیں جو میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا نے اپنے دستِ مبارک سے لگائے تھے۔ انہوں نے تو جنت البقیع کے مقابرؓ مسمار کر دیے۔ العیاذُ باللہ!

گفتگوئیں' بحثیں کہاں؟

میری نظر سے ایک آدھ سفرنامہ ایسا بھی گزرا جس میں سفرنامہ نگار نے اپنی گفتگوئیں' تقریریں' بحثیں بھی لکھ دی تھیں۔ میری سمجھ میں تو وہاں نعت ہونا ہی نہیں آتا' اور میرا ذوق تو پروفیسر عاصی کرنالی کا مقلد ہے کہ وہاں مجھے شعر کہنا جسارت لگتا تھا۔ چند شعر اور چند مصرعے پہلی بار اور تین چار قطعات دوسری بار ہُوئے تھے' وہ بھی گنبدِ خضرا کے سائے میں نہیں' مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں بھی

نہیں' جائے قیام پر۔ چہ جائیکہ میں یہ گوارا کروں کہ لوگوں کے ساتھ مل بیٹھ کر دُنیا جہان کے موضوع پر باتیں کی جائیں یا احباب کے ہاں کھانا کھایا جائے۔ میرے نزدیک عُمرے کے پندرہ دن بھی نام ہی کے پندرہ دن ہوتے ہیں۔ ایک ایک دن تو آنے جانے میں لگ جاتا ہے۔

کھانا کھانا یا کھانا پکانا

ایک صاحب خاصے سرمایہ دار آدمی ہیں۔ اور جو بات میں بتانے والا ہوں' یہ سرمایہ دار آدمی ہی کر سکتا ہے' مفلس یا درمیانے طبقے کا فرد نہیں۔ کہنے لگے' وہاں کھانا آدمی خود پکائے تو بڑی بچت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا جتنا وقت اس "نیک کام" میں صَرف ہو گا' اتنی دیر تو بہرحال حرم شریف سے دوری ہو گی۔ پتا نہیں' کھانا خود پکانے والے حضرات اتنی دیر کی دوری کیسے برداشت کرتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں' بازار سے جو کچھ کھانے کو مل جائے' کھا لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مہمان ہونے کی وجہ سے ہمیں تو دنیا کی ہر چیز میسر رہی۔ شہد' کریم' دودھ' دہی' پھل' سب کچھ۔ پھلوں میں گول موٹا انگور اور ڈوکا کھجور ہم نے بہت کھائی۔ معلوم ہوا تھا کہ یہ دونوں مدینۂ طیبہ کی پیداوار ہیں۔ ہم تو ڈوکا لاہور بھی لانا چاہتے تھے لیکن رات کو لے کر رکھ نہ سکے اور صبح روانگی سے پہلے کوشش کی تو یہ کھجور مل نہ سکی۔

وقت کے ضیاع کا خوف

میں پہلی بار گیا' تو جدہ میں' مکۂ پاک میں' مدینۂ پاک میں------ کہیں بھی کسی ملنے والے سے رابطہ ہی نہیں کیا کہ اس طرح "علائقِ تعلق" میں پھنس جاؤں گا۔ کہیں کچھ وقت ضائع ہی نہ کر بیٹھوں۔ دوسری مرتبہ فیاض حسین چشتی کے ملنے

والے نور محمد صاحب انجینئر سے ملاقات ہوئی' انہوں نے محبت اور خلوص کا خزانہ لُٹا دیا تو احساس ہوا کہ اگر انہیں نہ ملتے تو ہم بہت کچھ کھو بیٹھتے۔ پہلی بار نُور محمد جرال نے خود مجھے ڈھونڈ لیا تھا اور بڑی محبت کا برتاؤ کیا تھا۔ دوسری بار میں شرمندگی کی وجہ سے انہیں نہ مل سکا کہ انہیں یہاں آ کر ایک سے زیادہ خط بھی نہ لکھ سکا تھا۔ اگرچہ انہوں نے معاف کر ہی دیا ہو گا' لیکن میں یوں ندامت محسوس کرتا تھا' اور اب تک اسی کیفیت میں ہوں کہ شاید اب کے بھی ملاقات کی سعادت سے محروم رہوں۔

کبھی مہربانوں سے بھی ملوں گا

جو لوگ اپنے مہربانوں سے مل لیتے ہیں' وہ بہر حال فائدے ہی میں رہتے ہیں۔ ہمیں پہلی بار مدینۂ پاک میں نور محمد جرال نے اور دوسری مرتبہ ڈاکٹر اصغر علی شیخ نے زیارات کرائیں۔ دوسری بار نور محمد انجینئر صاحب نے ہمیں مکۂ پاک میں بھی اور جدّہ میں بھی گھمایا پھرایا۔ ورنہ پہلی مرتبہ مکہ معظمہ میں ٹیکسی والے نے ہمیں صرف طوفانی رفتار میں گھمایا' زیارات نہیں کرائی تھیں۔ میں چونکہ بار بار بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں اور اللہ کریم کے دربار میں حاضری کی درخواستیں دیتے رہنے کا داعیہ رکھتا ہوں' اس لیے اِن شاء اللہ کبھی دوستوں کی محبتوں سے بھی بھرپور استفادہ کروں گا۔ فی الحال حرمین شریفین کی برکتیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہشوں کے حصار میں ہوں۔

کلمۂ توحید کیا ہے؟

"اصل مُراد حاضری اُس پاک در کی ہے" مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا مصرع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہلِ محبت کے ایمان کی جان ہے۔ میں تو

پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جب تک کعبۃُ اللہ کے بارے میں یہ خیال میرے ذہن و احساس پر پرَفشاں نہیں ہوا کہ یہ میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کا محبُوب قبلہ ہے' یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مرضی سے قبلہ بنا تھا------- اُس وقت تک کعبۃُ اللہ کی عظمت کا پرَتو ہی میرے جذبات و احساسات پر نہیں پڑا۔ اور کیوں نہ ہو' توحید رسالت کے حوالے ہی سے تو پہچانی گئی۔ کلمۂ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے' رسالت کے اعلان پر مکمل ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ جن عالمین کا خالق و مالک اور پروردگار ہے' اُن عالمین کے لیے اُس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا۔

میری عربیاں

آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ مَیں مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذکر میں "علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام" کے بجائے "علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام" لکھ رہا ہوں۔ بس میری عربیاں تو ایسی ہی ہیں کہ میں مسجد کو مذکر کہوں تو مجھے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔

محب اور محبُوب

اللہ تعالیٰ خود رؤف و رحیم ہے' اس نے ایک ہستی کو مسلمانوں کے لیے رؤف و رحیم قرار دے دیا۔ اس نے اُن کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ کہا۔ اس نے اُن کی بات کو اپنی وحی قرار دیا۔ اس نے ان کی بعثت کو اپنا احسان فرمایا۔ اس نے ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ اس نے اپنے آپ کو بھی کریم فرمایا' اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی کریم فرمایا۔ اس نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اپنے ساتھ اپنے

محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا اور ان کے ساتھ اپنا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے اللہ اور اس کے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عطا کرنے والے ہیں' مددگار ہیں' نعمت عطا فرماتے ہیں' لوگوں کے کام دیکھتے ہیں' لوگوں کو غنی کرتے ہیں۔ اس نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو رسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مخالفت کرتے ہیں' یا ان سے الگ رہتے ہیں یا انھیں اذیت دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کی مخالفت کرتے ہیں' اس سے پیچھے رہتی ہیں اور اسے اذیت دیتے ہیں------- یہ ہے محبت' اسے کہتے ہیں محبت!!

قرآن کو سمجھنے کے لیے رہنمائی

میں تو کہا کرتا ہوں کہ اللہ کریم نے "الف لام میم" تین حروفِ مقطعات قرآنِ پاک کے شروع میں رکھے اسی لیے ہیں کہ ہر آدمی ان حروف کو دیکھے' پڑھے' سمجھنے کی کوشش کرے' مختلف علوم و فنون کو آزما دیکھے' اور آخر کار "واللہ و رسولہٗ اعلم" (اللہ جانے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہنے پر مجبور ہو جائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آدمی اعتراف کرتا ہے کہ میری عقل ناقص ہے' میں تو ان تین حروف کو نہیں سمجھ سکا' قرآنِ کریم کے مفہوم کو کیسے سمجھ سکتا ہوں' جب تک اس کے مخاطبِ اول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے رہنمائی حاصل نہ کروں۔

ایک مثال اس کی یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے واضح الفاظ میں مُردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ قرآنِ پاک کے الفاظ تو یہی ہیں لیکن اس کا مفہوم وہ ہے جو میرے سرکار حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا'------- کہ مچھلی مردہ ہوتی ہے لیکن

کھانا جائز ہے' جگر اور تلی کا خون بھی حرام نہیں اور'۔۔۔۔۔ خنزیر کا صرف گوشت ہی حرام نہیں' وہ پورے کا پورا حرام ہے۔۔۔ اور' بوقت ذبح جس چیز پر اللہ تعالٰی کے سوا کسی کا نام لیا جوئے' وہ حرام ہو جائے گی۔ اس کا کھُلا کھُلا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کو الفاظ کے ذریعے اور اپنی عقل کے ذریعے سمجھنا ممکن نہیں۔ اس کا مفہوم و معنیٰ وہ ہے جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا' اور بس!

رفیق احمد باجوہ

یاد آیا' چودھری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ نے۔۔۔۔ میں انہیں مفکرِ اسلام لکھنے والا تھا لیکن یہ لفظ بھی دیگر بہت سے الفاظ کی طرح کثرتِ استعمال سے اپنے معانی کھو چکا ہے۔ آج ایسے ایسے لوگ علامہ ہیں جن کا علم کے ساتھ سوائے دشمنی کے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور مذہبی فرقے' بلکہ ہر محلے کا الگ مفکر وجود میں آ چکا ہے۔ لیکن میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ "افلا یتدبرون القرآن" کا جواب فی زمانہ چودھری رفیق احمد باجوہ ہیں' واقعی قرآن میں غور کرتے ہیں اور اس سے استناد اور استنباط کے ذریعے جو نتائج نکالتے ہیں' اس سے ملت رہنمائی حاصل کر سکتی ہے' اگر چاہے۔ لیکن ملت تو قانون ساز اسمبلی کے لیے جن افراد کو چنتی ہے' ان سے بھی "مشوری ممبری" کے فرائض ادا ہونے کی توقع رکھتی ہے۔ اسلام اور آئین نظامِ مصطفیٰ (علیہ الصلوٰۃ والثنا) کو برسرِ عمل دیکھنا اس کے لیے بھی' دیگر سیاسیین کی طرح' قابلِ قبول نہیں۔ اللہ معاف کرے!

روح کی زبان

تو۔۔۔۔ باجوہ صاحب نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ قرآنِ پاک روح کی

زبان میں ہے۔ اسی لیے دنیا کے ہر خطّے میں اس کے حفّاظ موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں کہیں اس کی مثال موجود نہیں کہ کوئی شخص کسی اجنبی زبان کے دو چار صفحے بھی زیر زبر کے اہتمام کے ساتھ یاد کر لے۔ اور' یہاں ایک بڑی ضخیم کتاب دنیا کی مختلف زبانیں بولنے والے' عربی کو جانے بغیر یاد کر لیتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک یاد رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی ایک کتاب "قائدِ اعظمؒ۔۔۔ افکار و کردار" میں لکھا تھا کہ دنیا میں ایک ہی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اس قوم کا مسلّمہ لیڈر ہے' جس کی زبان وہ نہ بول سکتا ہے' نہ سمجھ سکتا ہے۔ عظیم دانشور چودھری رفیق احمد باجوہ کی یہ بات بھی حقیقت کا کھُلا اظہار ہے کہ قرآن کریم روح کی زبان میں ہے۔

بابِ بقیع کی تلقین

مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وہ مقام محفوظ ہے جہاں حضرت جبریل علیہ السلام عموماً تشریف لاتے تھے۔ یہ مقام بابِ بقیع سے قریب ہے۔ ظاہر ہے' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ سے بھی قریب ہے۔ بابِ بقیع کے باہر لکھا ہے "بسم اللہ الصلوٰۃ والسلام علی النبی"۔ اور'۔۔۔۔۔ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری کے وقت بلکہ اس سے بھی پہلے اس حاضری کے لیے چلتے ہوئے' بلکہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے' ان کی مدحت میں تر زبانی کی سعادت حاصل کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ ان کے حضور ہدیۂ درود و سلام پیش کرنا اور کرتے رہنا ضروری ہے۔ اور' بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضری اور حضوری کے وقت باہر لکھے ہوئے سنہری الفاظ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اللہ کا نام لے کر درودِ پاک کو مستقل وظیفہ بنا لو۔ اللہ ہمیں توفیق دے!

مسجدِ نبویؐ کے گنبد

جہاں میرے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا تشریف فرما ہیں' وہاں تو گنبدِ اخضر موجود ہے۔ انوار الٰہیہ (جل جلالہٗ) اور انوارِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مہبط و مرکز گنبد۔ نورٌ علیٰ نور گنبد (اللہ اللہ' وہ پاک گنبد جس کا ایک ٹکڑا حافظ فیاض احمد قادری نے مجھے عطا فرما دیا' اور اب وہ میرے' مجھ ایسے معصیاں شعار کے گھر میں ہے) مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں اس گنبد کے علاوہ دوسرے جو چھوٹے گنبد ہیں' ان کے اندر پہلے سنا ہے' علامہ محمد بن سعید شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصیدۂ بُردہ کے اشعار رقم تھے' آج کل آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی ہیں۔

چادرِ شفا

علامہ بصیریؒ جاں لیوا مرض میں مبتلا تھے' شفا تو شفا' افاقے کی صورت نہ رہی تو ایک قصیدۂ نعتیہ لکھا۔ وہ مکمل ہو گیا تو خواب میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے۔ اللہ اللہ' خالق و مالک جل شانہٗ' کے محبوبؐ نے بصیریؒ کے خواب میں قدم رنجہ فرمایا۔ حکم دیا' قصیدہ سناؤ۔ قصیدہ پیش کیا تو مختارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چادر عنایت فرما دی۔ خواب سے اٹھے تو بستر سے بھی اٹھ گئے۔ بیماری عنقا ہو گئی اور سایۂ ہما بصیریؒ کے قدموں میں تھا۔ اور' اب ساری دنیا امراض سے شفایابی کے لیے قصیدۂ بُردہ پڑھتی ہے۔

دل کا مرض کہاں گیا؟

میرے پہلے مجموعۂ نعت "ورفعنا لک ذکرک" کے ناشر احسان الحق دل کا مرض لے بیٹھے۔ جسے یہ مرض لاحق ہو جائے' وہ بیٹھنے کے قابل بھی تو نہیں رہتا' اسے لیٹے ہی رہنا ہوتا ہے۔ علاج ہوتا رہا۔ تنگ آ گئے تو خواب میں ایسے مکان میں جا پہنچے جہاں کائنات کے آقا و مولاؐ تشریف فرما تھے۔ کمرے میں گئے' سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو کھجوریں عنایت فرمائیں' اور بس۔ صبح اٹھے تو گھر والوں کے "ہائیں ہائیں" کرتے رہنے کے باوجود پریس چلے گئے اور دین جہان کے کام نمٹاتے پھرے۔ گھر والے پیچھے بھاگے تو انہیں بتا دیا کہ وہاں سے علاج ہو گیا ہے جس سے بڑا نہ کوئی شفا خانہ ہے' نہ وہاں کے بعد کسی علاج کی حاجت رہ جاتی ہے۔ چیک کرایا تو ڈاکٹر حیران کہ مرض کہاں گیا۔ مدت گزر گئی ہے' سالہا سال بیت چکے ہیں' وہ بفضلہٖ تندرست و توانا ہیں'۔۔۔۔۔ اللہ رکھے!

لڑائی میں عقل کا استعمال

خود میرا ۱۹۷۵ء میں ایکسیڈنٹ ہوا۔ ہفتہ بھر بے ہوش رہا۔ ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی' آٹھ مہینے چارپائی پر رہا۔ ایکس رے لیا تو معلوم ہوا کہ ٹانگ اب بھی نہیں جُڑی۔ شدتِ یاس میں اپنے خالق و مالک سے لڑ لیا۔ لیکن مَیں لڑائی میں عقل کے استعمال کا بڑا قائل ہوں۔ یہاں تو واسطہ بڑے جابر و قاہر سے تھا' میں نے رؤف و رحیم آقا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آڑ سے بات کی۔ چھتّے بعد رگر گیا۔ خیال تھا کہ اب تو ٹانگ کا جُڑنا برسوں کے لیے مؤخر ہوا' لیکن ہسپتال پہنچے' ایکس رے لیا۔ ٹانگ جُڑ چکی تھی۔ میری مصیبت ٹل گئی تھی۔

مدینہ اور صاحبِ مدینہؐ

لیکن میں تو مدینہ کی بات کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ پر مدینہ والے کی بات تو ہو گی۔ میں تو دنیا کے کسی اور موضوع پر بھی بات ہو رہی ہو' اس میں مدینہ والے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات لے آتا ہوں کہ یہی تذکرہ زندگی ہے' اسی سے زندگی ہے' ورنہ شرمندگی سے کون بچائے گا۔ میں ایک مدت تک لاہور میں ہونے والے غزلیہ مشاعروں میں شامل ہوتا رہا۔ یوں کہ نعت لے کر جاتا تھا۔ منتظمین سے کہتا کہ پہلے مجھ سے نعتیں سن لیں' پھر غزلیں شروع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ نعت کے فروغ میں میری اس حرکت کا بھی کوئی حصّہ ہو۔

ایک بار مختار بخاری مرحوم کے گھر' سانده میں مشاعرہ تھا۔ احسان دانشؔ مرحوم صدر تھے۔ میں نے اپنی گزارش کی تو دانشؔ نے کہا' یہ کیسے ہو سکتا ہے' نعت تو سب سے آخر میں ہو گی اور باصرار مشاعرے کے اختتام پر خود کلام سنانے کے بعد مجھ سے نعت سنی۔۔۔۔۔۔ ہاں تو' میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مدینۂ طیبہ کا ذکر' آپ کے کرم ہائے بے پایاں کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہوں۔ اس سے باز نہیں رہ سکتا۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ میری اس تحریر کو سفرنامہ سمجھیں۔

جدّہ کی سیر

میں تو مدینۂ مکرمہ حاضری کی نیت سے گیا تھا۔ پہلی بار ارادہ یہ تھا کہ ایک دن مکۂ مکرمہ میں رہ کر آگے چل دیں گے۔ لیکن اشارہ ہوا کہ یہاں سے بھاگنا درست نہیں چنانچہ تین دن وہاں رہے۔ دوسری مرتبہ گئے تو چار دن رہے۔ پہلی بار جدّہ کا تو کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ کیا ہوتا ہے۔ ائرپورٹ پر اُترے تو مکۂ معظمہ کو چل پڑے۔ واپس آئے تو مکۂ معظمہ سے بھاگم بھاگ ائرپورٹ پہنچے۔ بس جدّہ ائرپورٹ کی یہ خصوصیت سامنے آئی کہ وہاں' بس ہوائی جہاز کا حصہ بن جاتی ہے اور ہوائی جہاز سے

نیچے اتر کر بس میں نہیں بیٹھنا پڑتا۔ بعد میں دلی ائرپورٹ پر بھی ایسی ہی صورت نظر آئی۔ دوسری بار نور محمد صاحب انجینئر نے ہمیں جدّہ ائرپورٹ سے اس وقت لیا جب ہم مدینۂ معظمہ سے واپسی کے لیے یہاں آئے۔ وہ محلّہ بنی مالک میں واقع اپنے مکان میں لے گئے۔ ہم مکان میں گئے تو نور محمد صاحب گاڑی سے ہمارا سامان اٹھا کر اندر لانے لگے۔ ہم نے پوچھا کہ سعودی عرب ہے' یہاں کیا خطرہ ہے' سامان گاڑی ہی میں رہنے دیتے۔ انہوں نے محلّہ کا نام بتایا اور اس کی خصوصیت یہ بتائی کہ یہاں پاکستانی رہتے ہیں اس لیے یہاں چوری متوقع ہوتی ہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے!

ہم نے وہاں آرام کیا' پھر معزز مہمان میزبان نے ہمیں جدّہ شہر کی اور ساحلِ سمندر کی سیر کرائی۔ اللہ اللہ۔ عربوں نے سمندر پر حکمرانی ثابت کر دی ہے۔ سمندر کے اندر پارک بنا دیا ہے۔ مسجد یوں بنا دی ہے کہ اس کا ایک حصہ باہر ہے' دوسرا سمندر میں۔ اور پتا نہیں' کیا کیا۔ بس ہم نور محمد صاحب کو دعائیں دیتے رہتے ہیں۔

دُرُود خوانوں پر نظرِ کرم

ہم پہلی بار اس مقدس سفر پر گئے تو گھر میں فون نہیں تھا۔ میں نے حسبِ عادت دو چار خط لکھ دیے۔ دوسری بار گئے تو فون پر رابطے کی سہولت موجود تھی۔ میں نے مکۂ منورہ میں بھی اور مدینۂ معظمہ میں بھی کئی بار فون پر بچوں سے بات کی۔ لیکن مدینۂ طیبہ میں وہ یوں ہوتی تھی کہ سب لوگ باوضو ہو کر درود پاک پڑھیں' میں اتنے منٹ کے بعد آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین میں حاضر ہو کر گزارش کروں گا کہ بچے نیو شالامار کالونی میں آپ کی بارگاہ میں درود خواں ہیں' اُن پر نظرِ کرم فرمائیں اور ان کا ہدیۂ درود و سلام قبول فرما لیں۔

زندہ نبی' مختار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان دونوں بار بدر کے مقام پر بھی حاضری نہیں ہوئی۔ اس سعادت کے حصول کے لیے بھی گزارش شروع کر دی ہے' ان شاء اللہ کامیابی ہو گی۔ اُحد پر البتہ دونوں بار حاضری ہوئی۔ دوسری بار زیادہ ہوئی' زیادہ اچھی ہوئی۔ ایک بار علامہ اقبالؒ کے سامنے کسی نے اچنبھے ساتھ اس واقعے کا ذکر کیا جس میں میرے آقا و مولا علیہ والسلام والثنا نے اُحد سے فرمایا تھا۔ ٹھہر جا۔ تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔ اور پہاڑ ساکن ہو گیا تھا۔ علامہؒ نے کہا' میں اسے مادی حقیقت سمجھتا ہوں' استعارہ و مجاز نہیں۔ کچھ اسی قسم کی بات علامہؒ نے درختوں کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھک جانے کے سلسلے میں کی تھی۔ اپنے کسی خط میں علامہؒ نے یہ بھی لکھا تھا کہ میرا عقیدہ ہے' نبی کریم (علیہ والصلوٰۃ والتسلیم) زندہ ہیں اور موجودہ زمانے کے لوگ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اُسی طرح مُستفید ہو سکتے ہیں جس طرح صحابۂ کرام (رضی اللہ عنھم) ہوتے تھے۔

ترکھاناں دا مُنڈا

حکیم الامتؒ نے تو ایک بار روتے ہوئے یہ دعا کی تھی کہ میری عمر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے۔۔۔۔۔ اور' ان کی اس دعا نے بھی قبولیت کا شرف پایا۔ نامور محافظ ناموسِ رسالت' غازی علم الدین شہید (رحمہ اللہ علیہ) کے کارناموں کی خبر جب اُن تک پہنچی تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔ "اسی گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا مُنڈا بازی لے گیا' (ہم باتوں ہی میں مصروف رہے اور معماروں کے خاندان کا ایک خوش بخت فرد بازی جیت گیا)

علامہ محمد اقبالؒ

میں تو خیر ایک مدت سے علامہ اقبالؒ کو پیر و مرشد سمجھتا ہوں۔ پھر میں نے "روزگار فقیر" میں یہ پڑھا کہ علامہؒ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں درود و سلام کے تحفے نچھاور کرنے کو قبولیتِ دُعا کا مجرب نُسخہ ہی نہیں فرماتے تھے۔ کہتے تھے' درود سے بڑھ کر اور کوئی اسم اعظم نہیں۔۔۔۔۔۔ اس سے میرا اُن کا رشتہ زیادہ مضبوط ہوا۔ لیکن اس تعلق میں میری مزید نیاز مندی اُس وقت شامل ہوئی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ علامہؒ نے ایک کروڑ مرتبہ بارگاہِ حبیبِ خدا (علیہ الصلوٰۃ والثنا) میں ہدیۂ درود و سلام پیش کیا۔

ایک کروڑ مرتبہ دُرُود پاک پڑھا

فیاض حسین چشتی نظامی نے مفتی محمد امین کی کتاب "آبِ کوثر" میں "نوائے وقت" کے حوالے سے اس کا ذکر پڑھا۔ وہاں سے پرچہ لائے تو اظہر محمود نے اپنے ہفتہ وار اخبار "ملتان روڈ نیوز" لاہور میں یہ اقتباس شائع کر دیا۔ یہ حنیف شاہد کا مضمون تھا' جس میں م ش کے حوالے سے لکھا تھا کہ علامہ اقبالؒ کے ایک دوست ڈاکٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ "آپ حکیم الامت کیسے بنے؟" تو علامہ نے جواب دیا' ایک کروڑ مرتبہ درودِ پاک پڑھ کر۔

کچھ حساب کتاب محمد حنیف شاہد نے اپنے مضمون میں لگایا کہ اتنا درودِ پاک پڑھنے میں کتنا عرصہ صَرف ہوا ہو گا۔ پھر فیاض صاحب اور میں بھی کیلکولیٹر لے کر بیٹھ گئے۔ ہم اسی حساب کتاب میں مصروف تھے کہ اس مسئلے کا حل بھی دریافت ہو گیا۔ گوجرانوالہ کے ایک رسالے میں ایک اور ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے یہ خبر سامنے آئی کہ علامہ محمد اقبالؒ روزانہ دس ہزار مرتبہ درودِ خضری پڑھتے تھے۔ پھر راجا حسن اختر کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں انہوں نے لکھا کہ میں نے ازراہِ

عقیدت ایک بار علامہؒ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرق و مغرب کے علوم کا جامع بنایا ہے تو انہوں نے کہا' مجھے اِن علوم نے چنداں نفع نہیں پہنچایا۔ نفع تو مجھے صرف حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ دُرُود و سلام پہنچانے کے عمل نے پہنچایا ہے۔

فائدے ہی فائدے

مجھے یقین ہے' آپ درودِ پاک پڑھ کر اللہ سے علم میں اضافہ فرمانے کی استدعا کریں گے تو اس ٹارگٹ کو پالیں گے۔ آپ اس وسیلے سے دین و دنیا میں بہتری کی دعا کریں گے تو ان شاء اللہ اس کی قبولیت ہو گی۔ آپ درود شریف پڑھتے رہیں گے اور کوئی دُعا نہیں بھی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرمان جاری کر دے گا ' جن کے نتیجے میں آپ کو یہاں بھی' وہاں بھی' فائدے ہی فائدے ہوں گے۔ درود و سلام ایسا وظیفہ ہے۔

میں دُنیا دار' عصیاں کار' علائقِ دُنیا میں گرفتار' اتنا درود و سلام نہیں پڑھ سکتا' جتنا پڑھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اپنے پروردگار' اپنے رحیم و کریم خالق و مالک کے گھر' اور اس کے حبیبِ پاک' اپنی جان و مال و آبرو کے مالک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کی زیارت کے دنوں میں خوب خوب اس وظیفۂ خداوندی میں مصروف رہا۔

بارالٰہا! میری باقی زندگی کی ساعتوں کو درودِ پاک کے نُور سے منوّر رکھیو!!

+++++++++

راجا رشید محمود

ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

کی

تصنیفات و تالیفات

اسلامی موضوعات پر راجا رشید محمود کی کتابیں

۱۔ احادیث اور معاشرہ

○۔ اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر حضور سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمیں احادیثِ مقدسہ کی تشریح

۲۔ ماں باپ کے حقوق

○۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اہلِ ایمان کی اہم ذمہ داری پر ایک اہم کتاب جو اس موضوع پر نہایت اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ حمد و نعت

○۔ مدحتِ خدا و رسولِ خدا (جلّ شانہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) پر ۱۲ مضامین اور ۴۹ منظومات کا حسین گلدستہ۔ ۲۰۸ صفحات

۴۔ میلادُ النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

○۔ ۱۸ مضامین اور ۸۰ کے قریب میلادیہ نعتوں پر مشتمل ۳۳۶ صفحات کی کتاب' جس میں صرف میلاد ہی کے موضوع پر مواد ہے۔

۵۔ مدینۃ النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

○۔ ۲۰۸ صفحات کی اس کتاب میں ۱۸ مضامین اور ۵۷ منظومات ہیں جن سے اس شہر مقدّس کے بارے میں اہلِ محبت کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں۔

راجا رشید محمود کے اردو مجموعہ ہائے نعت

۱۔ ورفعنا لک ذکرک (۱۳۹۷ ہجری)

☆☆☆ یہ اُن کے پہلے اُردو مجموعۂ نعت کا تاریخی نام ہے۔ کتاب ۱۹۷۷ء میں چھپی' اور اب ناپید ہے۔ کتاب میں دو حمدیں' ۴۳ نعتیں اور ۱۳ مناقب ہیں۔ آخر میں منظوم و منثور تقاریظ ہیں۔

۲۔ حدیثِ شوق

☆☆☆ دوسرا مجموعۂ نعت جو سب سے پہلے ۱۹۸۲ء میں' پھر ۱۹۸۴ء میں اور ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ کتاب میں ۷۸ نعتیں جن میں حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے لیے کہیں تو یا تم کا استعمال نہیں کیا گیا۔

۳۔ منشورِ نعت

☆☆☆ اردو اور پنجابی نعتیہ فردیات کا مجموعہ جو ۱۹۸۸ء میں طبع ہوا۔ (نعت کے حوالے سے چھپنے والا یہ فردیات کا پہلا مجموعہ ہے)

۴۔ سیرتِ منظوم

☆☆☆ ۹۲ کا تحفہ۔ قطعات کی صورت میں پہلی منظوم سیرت ہے۔

۵۔ ۹۲

☆☆☆ ۹۲۔ اردو نعتیہ قطعات کا مجموعہ جسے شہناز کوثر اور اظہر محمود نے مرتب کیا۔

راجا رشید محمود کے پنجابی مجموعۂ نعت

نعتاں دی اَتّی

○... پنجابی نعت کا پہلا دیوان جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیاتِ پاک کے ۶۳ برسوں کے حوالے سے ۶۳ نعتیں ہیں۔ کتاب پر بارھویں "قومی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کانفرنس" منعقدہ بارہ ربیع الاول ۱۴۰۸ ہجری میں صدارتی ایوارڈ دیا گیا۔ حدیثِ شوق' سیرتِ منظوم اور "۶۳" کی طرح اس پنجابی مجموعۂ نعت میں بھی حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے لیے "تُو یا تم" کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ کتاب کا انتساب کرامت علی شہیدیؒ کے نام ہے۔ کتاب پہلی بار ۱۹۸۵ء میں اور دوسری بار ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

حق دی تائید

○... یہ ایڈیٹر نعت کی پہلی مختصر منظوم مطبوعہ تصنیف ہے جس میں پنجابی کلام زیادہ ہے۔ دو نظمیں اردو میں ہیں۔ یہ کتابچہ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

منشورِ نعت

○... کتاب کے آخری صفحات (۱۴۳ یا ۱۴۷) میں پنجابی فردیات ہیں۔

انتخابِ نعت

۱۔ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

○○۔ ۱۹۷۳ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے دو رنگوں میں شائع کی۔ کتاب کے پہلے حصّے میں کم عمر بچوں کی ذہنی استعداد کو سامنے رکھا گیا ہے اور دوسرے حصے میں ایسی نعتیں شامل کی گئیں ہیں جنہیں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے طالبِ علم بآسانی سمجھ سکیں۔ کتاب ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ نعتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

○○۔ کتاب کا نام تاریخی ہے۔ یہ ۱۹۸۲ء میں مرتّب ہوئی اور پہلی بار اسی سال چھپی۔ دوسرا ایڈیشن بڑے سائز پر دو سال بعد شائع ہُوا۔ کتاب میں ڈیڑھ سو سے زیادہ نعت گوؤں کا کلام شامل ہے۔

۳۔ نعتِ حافظ

○○۔ حافظ پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دواوین کا انتخاب۔ پونے تین سو صفحات۔

۴۔ قُلزمِ رحمت

○○۔ امیر مینائی کی نعتوں کا انتخاب۔ تحقیقی مقدّمے کے ساتھ

۵۔ نعتِ کائنات

○○۔ جنگ پبلشرز کے زیرِ اہتمام' اصنافِ سخن کے اعتبار سے ایک عظیم انتخابِ نعت (مبسوط تحقیقی مقدّمے کے ساتھ)

مزید تصانیف

۱۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

○... سیرت و محبت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختلف موضوعات پر فکر انگیز اور بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ۔ دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۲۔ قرطاسِ محبت

○... حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت اور درود و سلام کی اہمیت پر تحریر کردہ مضامین کا مجموعہ

۳۔ سفرِ سعادت، منزلِ محبت

○... ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۱ء میں حرمین شریفین میں حاضری کی یادداشتیں جو بے تکلفی سے دل کی زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ ۲۲۸ صفحات

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بچے

○... ۱۳۸ عنوانات کے تحت بچوں پر حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی شفقت و مرحمت کے روابط کا ذکر

۵۔ راج دلارے

○... بچوں کے لیے نظمیں۔ دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

تاریخ اور تاریخی شخصیات پر کتابیں

۱۔ اقبالؒ و احمد رضاؒ۔ مدحت گرانِ پیغمبرؐ

☆☆... حکیم الامت علامہ اقبالؒ اور مولانا احمد رضا بریلویؒ کی قدرِ مشترک پر ایک جامع تحریر۔ کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور پاکستان

☆☆... بانیٔ پاکستان، شاعرِ مشرق اور مملکتِ خداداد کے بارے میں نہایت اہم مضامین۔ دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۳۔ قائدِ اعظمؒ .... افکار و کردار

☆☆... بابائے قوم حضرت قائد اعظمؒ کی تقاریر کے حوالے سے ان کے افکار و کردار میں یکسانیت کے موضوع پر بصیرت افروز مضامین

۴۔ تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ء

☆☆... تحریک کے اسباب و علل اور اس کے عواقب و نتائج کا پہلا تاریخی و تحقیقی تجزیہ جو حقائق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ ۲۶۴ صفحات کی اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

آیندہ کتاب

پاکستان میں نعت

زیر طبع

- ☆ قیامِ پاکستان کے بعد فروغِ نعت کی کوششوں کا جائزہ
- ☆ اب تک چھپنے والے سات سو مجموعہ ہائے نعت کی اجمالی جزئیات
- ☆ نعتیہ انتخابات کا ذکر
- ☆ اب تک شائع ہونے والے ۲۴ نعت نمبروں کا ذکر
- ☆ نعت کے موضوع پر نکلنے والے جرائد کا تعارف
- ☆ ۱۹۴۷ء سے اب تک مختلف رسائل کے سیرت نمبروں کا تعارف
- ☆ نعت کے موضوع پر کام کرنے والی شخصیات اور ادارے
- ☆ پاکستان کے نعت خوانوں اور نعت خوانی کی تنظیموں کا ذکر
- ☆ پاکستان میں نعت پر تفصیلی، تنقیدی، تحقیقی کام کے امکانات کا جائزہ
- ☆ فروغِ نعت کی کاوشوں کا پس منظر

عنقریب اشاعت پذیر ہوگی

صفحات ۲۲۴

راجا رشید محمود کی ایک اور تصنیف

تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" کی تفسیر

○ جس کے مطالعے سے آپ پر واضح ہو گا کہ ہمارے محترم مفسّروں نے "عالمین" کے مفہوم اور تفسیر و تشریح میں کہاں کہاں اور کیا کیا پیچ کھائے ہیں۔ "عالمین" کی وضاحت کرتے ہوئے اسے کتنا محدود کرنے کی کوشش کی ہے یا کہاں تک وسعت دی ہے۔

○ اللہ تعالیٰ جن عالمین کا خالق و پروردگار ہے، اس نے ان جہانوں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا ہے، یا ان کی رحمت کو کہیں محدود کر رکھا ہے؟

○ رحمت کا مطلب کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اس کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے

○ آج کی دنیا کے معلوم جہان کون سے ہیں اور ان کے لیے حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی رحمت کیا رنگ لاتی ہے۔

○ کائنات کے پائیدار عناصر کتنے ہیں اور اس سے مراد کیا ہے۔

عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہوگی

صفحات ۲۵۶

قیمت ایک سو روپے

راجا رشید محمود کی ایک نیاز مندانہ تالیف

درود و سلام

فہرست مندرجات یہ ہے:

درود و سلام کا حکم
حکم درود و سلام کا تاریخی پس منظر
درود کیا ہے؟
درود و سلام واجب بھی ہے، مستحب بھی
درود شریف، کس کس کی سنت
جو درود و سلام نہیں پڑھتا
مقرر، کاتب اور درود و سلام
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام درود و سلام سماعت فرماتے ہیں
حیوانات و نباتات اور درود و سلام
درود خوانوں کے لیے تحفے
درود و سلام - ہر بیماری کی شفا
درود و سلام، حُسنِ آخرت کا ذریعہ
درود و سلام، قبولیتِ دعا کا واحد وسیلہ
درود و سلام کتنا پڑھنا چاہیے؟
درود خوانی میں عدد کی اہمیت
درود پاک کون سا پڑھا جائے
درود و سلام کے چند صیغے اور ان کے فوائد
اذان کے ساتھ درود و سلام
سفرِ حرمین اور درود و سلام
جمعہ اور پیر کے دن درود خوانی
درود خوانوں کے چند واقعات
درود شریف کے آداب
حلقۂ درود پاک
چند مجرب درود شریف
درود و سلام اور اطاعتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ملک کے معروف تبلیغی اشاعتی ادارے
"ادارہ معارفِ نعمانیہ"
کے زیرِ اہتمام عنقریب طبع ہوگی